داستانِ اسلام

حصّہ سوم

بنو امیّہ

شیخ محمد اقبال ایم اے (عربی) ایم اے (اسلامیات) ایم اے (فلسفہ)

گورنمنٹ کالج لاہور

علمی کتاب خانہ اُردو بازار لاہور

عنوانات

عنوانات

پیش لفظ

اُموی سلطنت کو بے شک ہم خلافتِ راشدہ کے سامنے نہیں لا سکتے تاہم تابعین کے اِس پُرشکوہ دور پہ نازاں ہوتے ہیں ہم حق بجانب ہیں۔ اُموی سلاطین سے کوتاہیاں بھی ہوئیں اور غلطیوں کے بھی مرتکب ہوئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے۔

بڑے لوگوں کے بارے میں طرح طرح کی باتیں پھیل جاتی ہیں بعض غلط اور بے بنیاد ہوتی ہیں اور بعض مبالغہ آمیز۔ بنو اُمیّہ کے بارے میں جو تاریخیں لکھی گئیں ان کی ورق گردانی کی جائے تو ایسی روایات کی کمی نہیں ملے گی۔ ایک عامی ایسے غلط سلط اور متضاد بیانات کو پڑھتا ہے تو انہیں بغیر کسی تنقید کے قبول کیے جاتا ہے۔ لیکن محقق کا رستہ خارزاروں سے گزرتا ہے۔ وہ بچ بچ کر اور سنبھل کر قدم اٹھاتا ہے۔ اسے بارہا پھولوں کے ساتھ

کانٹے بھی چننے پڑتے ہیں۔ پھول وہ پھول جو بناوٹی نہ ہوں اور کانٹے وہ کانٹے جو کتابوں نے نہیں بوئے۔ اس کے لئے حق آشنا اور ظلمت شگاف نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ حکمت کا حرفِ اوّل خوفِ خدا ہے۔ علم و حکمت کے ہر شعبے میں خوفِ خدا ہی سے آغاز کرنا چاہیئے ورنہ آدمی بے رحم اور بے انصاف ہو جاتا ہے۔ جس طرف طبیعت مائل ہوئی وہاں جھوٹ تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسا دیئے اور جس سے دل ناراض ہوا اس پر ناحق تہمتوں کے انبار لگا دیئے جو مؤرخ اس مزاج اور اخلاق کا ہو وہ ساری انسانیت کا غدار ہے۔

میں نے بنو امیّہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ انتہائی کاوش اور غور و فکر کے بعد لکھا ہے۔ تاریخ کے اصل سرمایہ کی چھان پھٹک کرنے کی امکانی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے غلامانہ ذہن نہیں دیا۔ محنت و کاوش اور تحقیق و جستجو کو علم کی روح سمجھتا ہوں۔ اپنی طرف سے محنت و دیانت کا حق ادا کرنے کے بعد مجھے کم از کم اتنی توقع ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف کرے گا اور قیامت کے روز مجھے اسلاف کے سامنے شرمسار نہیں کرے گا۔

تاریخ اسلام کے گہرے مطالعہ کے بغیر محض سیکنڈ ہینڈ مآخذ پر سرسری نظر ڈال کر مؤرخ کا قلم سنبھالنا اور اسلاف کے خوب و ناخوب کا فیصلہ دینا ناروا جرأت ہے۔ اس سے اسلامی نظریات کے بارے میں گمراہی پھیلتی ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بنو امیہ کی تعریف کی جائے یا ان کے خلاف کچھ کہنا ہو ہر دو صورت میں نہایت تأمل اور احتیاط کی ضرورت ہے مجھے جو بات حق نظر آئی ہے محتاط ترین الفاظ

میں پیرایہ قلم کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں اپنی اس تالیف کو اس دعوے کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ اسلامی تاریخ کی بیش بہا متاع کو محفوظ کرنے کی راہ میں یہ ایک نادرہ کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے قبول عام کی خلعت عطا فرمائے۔

شیخ محمد اقبال ابن شیخ سکندر دین

خلافتِ راشدہ کے بعد خاندانی ملوکیت کی بنا پڑ گئی۔ اس کے بانی حضرتِ معاویہؓ ہیں۔ حضرتِ معاویہؓ خاندانِ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بنو امیہ قریش کی ایک ممتاز شاخ تھے۔ یہ خاندان اپنے مورثِ اعلیٰ امیّہ کے نام پر موسوم ہے۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم کا شجرۂ نسب عبد مناف پر ایک ہو جاتا ہے۔

(شجرۂ نسب اگلے صفحہ پہ دیکھیں)

عبد مناف

عبد الشمس — ہاشم

امیّہ

حرب — ابو العاص

ابو سفیان — حکم

معاویہ — مروان
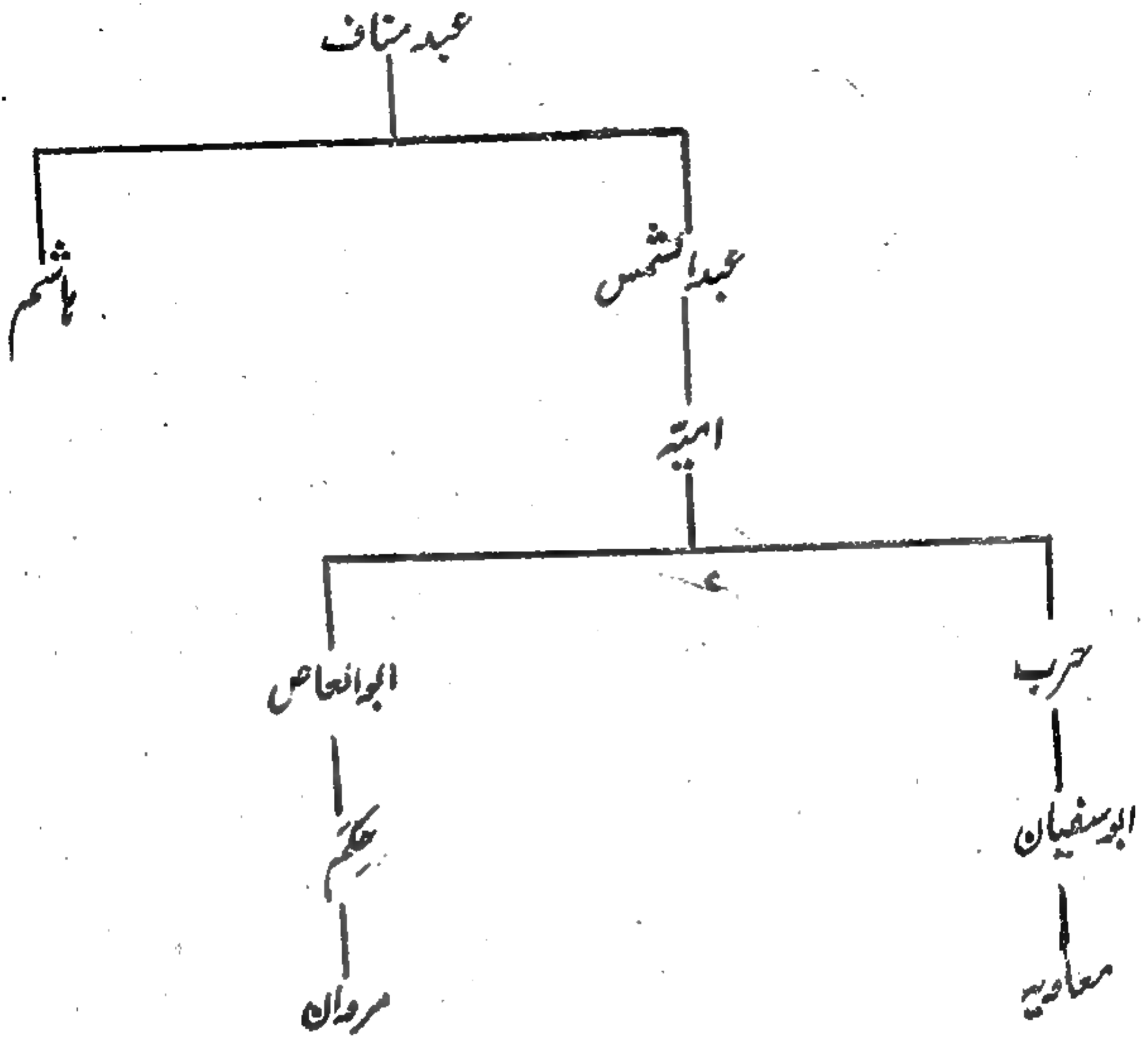
خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ بنو امیّہ سے تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کی بیعت ہوئی۔ بنو امیّہ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہ کی اور یہ مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو فوراً سزا دی جائے۔ عیّار قاتلوں کا سراغ لگانا آسان نہ تھا۔ اس لیے بنو امیہ اور حضرت علیؓ کے مابین اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی گئی۔ اس وقت بنو امیّہ کے سربراہ حضرت معاویہؓ تھے۔ ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان معرکے چھڑ گئے۔ حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی مصالحت کے بعد حضرت معاویہؓ نے زمامِ خلافت سنبھال لی۔

حضرت معاویہؓ نے وفات سے قبل اپنے بیٹے یزید کو جانشین

نامزد کیا اور اس کے لئے بیعت حاصل کر لی ۔ یہ بنو امیہ کی خاندانی حکومت کا سنگِ بنیاد تھا ۔ حضرت معاویہؓ کا پوتا معاویہ بن یزید حکومت سے دست بردار ہو گیا اور ریاست حضرتِ معاویہؓ کی اولاد سے نکل کر مروان کے واسطہ سے بنو امیّہ کی ایک اور شاخ آلِ حکم میں چلی گئی ۔ مروان کا باپ حکم بن العاص حضرتِ عثمانؓ کا چچا تھا ۔ حکم کسی نمایاں شخصیت کا مالک نہ تھا لیکن اس کی اولاد نے ایک نہایت پرشکوہ سلطنت قائم کی ۔ اس خاندان میں عالمگیر شہرت کے فرماں روا پیدا ہوئے ۔ اس خاندان کی حکومت کا بانی چونکہ مروان تھا اس لئے انہیں بنو مروان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے ۔

---

(۱) آلِ سفیان

(۱) معاویہ
|
(۲) یزید
|
(۳) معاویہ

(ب) آلِ حکم یا بنو مروان

(۴) مروان

عبدالعزیز — (۵) عبدالملک — محمد

(۸) عمر ثانی

(۹) یزید ثانی — (۷) سلیمان — (۶) ولید اول

(۱۲) یزید ثالث

(۱۰) ہشام — (۱۱) ولید ثانی — (۱۳) ابراہیم — (۱۴) مروان ثانی
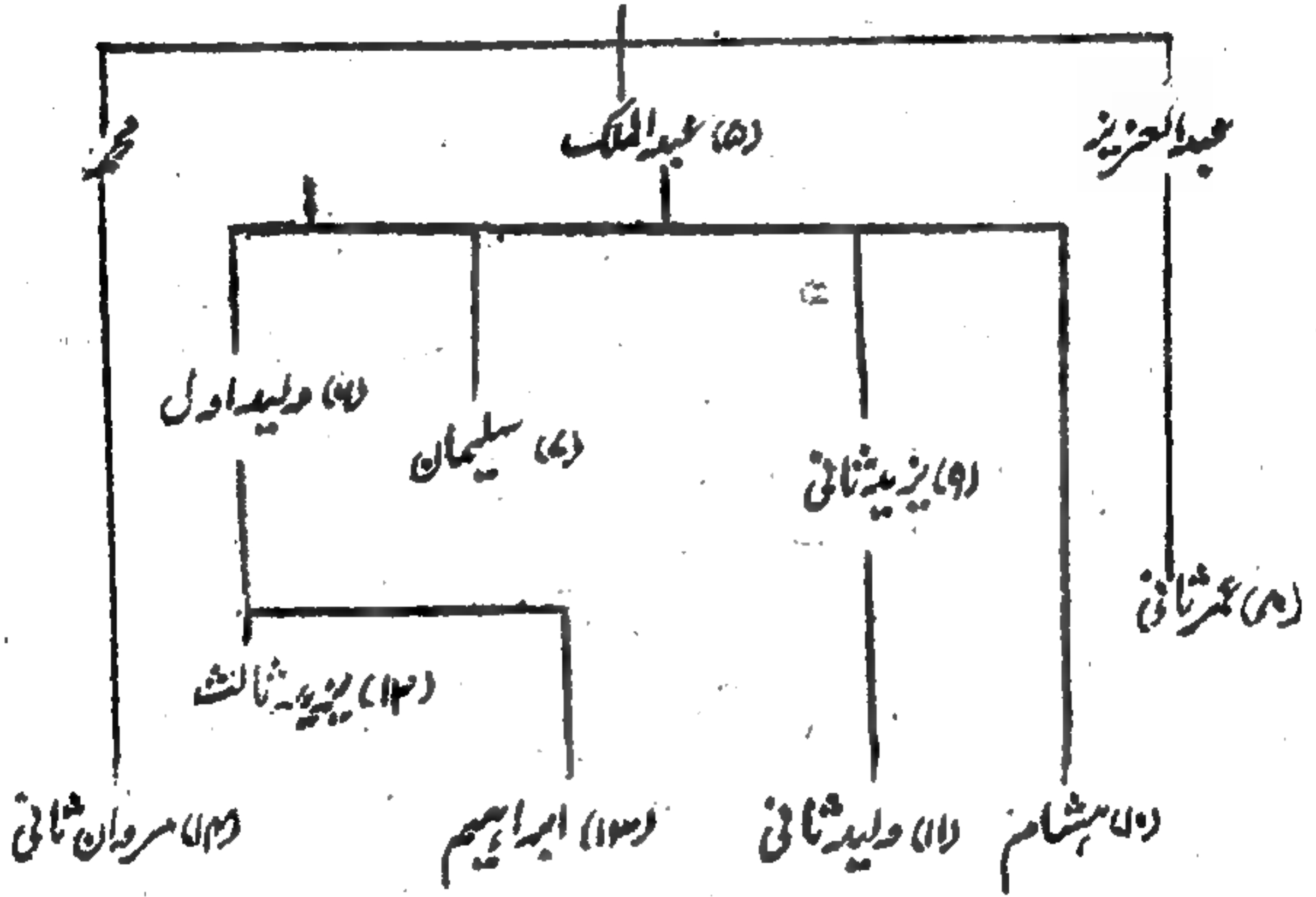
حضرتِ معاویہؓ

ابتدائی حالات حضرتِ معاویہؓ حضرت سفیانؓ بن حرب کے بیٹے تھے۔ آپ قریش کی ایک ممتاز شاخ بنو امیہ سے تھے۔ آپ نے ظہورِ اسلام سے پانچ برس قبل ولادت پائی۔ قبولِ اسلام کا شرف فتح مکہ کے بعد حاصل ہوا۔ اس کے بعد حنین کی جنگ میں شرکت کی۔ کچھ عرصہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت پر مامور رہے۔ عہدِ صدیقی میں یمامہ کی نتیجہ خیز جنگ میں حصہ لیا۔ حضرتِ عمرؓ کے عہد میں شام کے تقریباً نصف حصہ کے والی مقرر ہوئے۔ آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے انتظام سنبھالے رکھا۔ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں کل شام آپ کے زیرِ انتظام کر دیا گیا۔

حضرتِ علیؓ نے خلافت سنبھالی تو حضرت عثمانؓ کے عمال کی برطرفی

کے احکام صادر فرما دیئے ۔ ان عمّال میں حضرتِ معاویہؓ بھی تھے۔ حضرت معاویہؓ نے اس عذر پہ سبکدوش ہونے سے انکار کر دیا کہ پہلے حضرتِ عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دی جائے ورنہ میں اپنا منصب نہیں چھوڑوں گا ۔ نتیجہ یہ کہ صِفّین کے مقام پر حضرتِ علیؓ اور حضرتِ معاویہؓ کے درمیان ایک طویل جنگ ہوئی جس میں ہزاروں مسلمان کام آئے ۔ آخر حَکَمین کے تقرر کا فیصلہ ٹھہرا ۔ حکمین کسی فیصلہ پہ نہ پہنچ سکے ۔ حضرتِ معاویہؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور معرکوں کا سلسلہ پھر چل نکلا ۔ اس اثنا میں حضرتِ علیؓ شہادت کا جام نوش فرما گئے ۔ حضرت حسنؓ ان کے جانشین ہوئے ۔ حضرتِ حسنؓ نے ۴۱ ہجری میں حضرتِ معاویہؓ کے ساتھ مصالحت کر لی اور خلافت آپ کو سونپ دی ۔ کسی جماعت نے اختلاف نہ کیا اور سیاسی نزاع ختم ہو گئی ۔ اس لیے ۴۱ ہجری کے سنہ کو **عامُ الجماعۃ** (اتحاد کا سال) کہتے ہیں۔

چار مدبّر عرب میں اس وقت چار مدبر ایسے تھے جن کی طباعی، تدبّر اور سیاست کا جواب نہ تھا ۔ ان میں ایک حضرتِ معاویہؓ تھے ۔ باقی تین حضرات عمروؓ بن العاص ، مغیرہؓ بن شعبہ اور زیاد بن ابیہ تھے ۔ حضرتِ معاویہؓ کی سیاست کا ایک لاجواب پہلو یہ ہے کہ آپ نے ان تینوں سیاست دانوں کو اپنے ساتھ وابستہ کر لیا ۔

۱۔ **عمرو بن العاص** :۔ آپ قبیلہ قریش سے تھے ۔ شروع میں اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے ۔ مہاجرین حبشہ کے خلاف وفد لے کر گئے تھے ۔ اس کے بعد بھی اسلام کی مخالفت میں کمی نہ کی ۔ آخر صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم سے اس قدر حیا کرتے تھے کہ حضورؐ سے آنکھیں نہیں ملا سکتے تھے۔ نہایت نیک نیت اور پر خلوص تھے۔ خوش خو اور سلیقہ نواز تھے۔ زیرک اور صاحب الرائے تھے۔ زبان میں چشمہ ساروں کی روانی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذات السلاسل کے غزوہ میں امیر کر کے بھیجا۔ اس کے بعد عمان کا عامل مقرر فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں بھی کچھ عرصہ اس عہدہ پر فائز رہے۔ پھر شام کی مہمات میں حصہ لیا۔ ان کی دانش مندانہ رائے سے بڑے بڑے عقدے حل ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مصر فتح کیا اور وہیں گورنر مامور ہوئے۔ اس عہدہ پر حضرت عثمانؓ نے بھی انہیں کچھ عرصہ بحال رکھا۔ اس کے بعد سبکدوش کر دیا۔ واپس مدینہ آکر حضرت عثمانؓ کے پُر خلوص مشیروں میں شامل رہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی کشمکش میں حضرت معاویہؓ کے طرف دار ہو گئے اور ان کی طرف سے صفین کی جنگ میں حصہ لیا۔ تحکیم پہ جنگ کا خاتمہ ہوا تو آپ حضرت معاویہؓ کی طرف سے حکم مقرر ہوئے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت معاویہؓ کی جو امداد کی اس سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی حکومت انہی کی پرکاری کی مرہون تھی۔ حضرت معاویہؓ نے انہیں مصر کا والی مقرر کیا۔ انہوں نے ۴۳ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ۹۰ برس کی عمر تھی۔

موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عمرو بن العاص اپنے گزشتہ مناصب کی ذمہ داریوں کو یاد کر کے روتے تھے کہ جانے کل اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا کیا جواب دینے پڑیں؟ آپ نے وصیت کی

کر مجھ پر توجہ نہ کیا جائے۔

حضرتِ عمرؓو بن العاص مومن اور صالح مرد تھے لیکن بد قسمتی سے آپ کے خلاف کئی غلط روایات مشہور ہو گئیں۔

آپ کی ولایت آپ کے بیٹے عبداللہ کو سونپی گئی[1]

۲۔ مغیرہؓ بن شعبہ:۔ یہ صاحب طائف کے رہنے والے تھے نہایت عظیم الجثہ تھے۔ ہجرت کے پانچویں برس اسلام لائے۔ اس کے بعد نمایاں خدمات انجام دیں۔ حدیبیہ کی صلح کے وقت تلوار سونتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہرہ کے لئے کھڑے رہے۔ طائف والے اسلام لائے تو لات کو مسمار کرنے کے لئے آپ کو بھی نامزد کیا گیا۔ حضرتِ صدیقؓ کے عہد میں یمامہ اور یرموک کی اہم جنگوں میں حصہ لیا۔ یرموک کی جنگ میں آپ کی ایک آنکھ ضائع گئی۔ حضرتِ عمر فاروق کے عہد میں قادسیہ کی جنگ میں شریک ہوئے حضرتِ سعد بن ابی وقاص کی طرف سے رستم کے پاس سفیر بن کر گئے اور نہایت اثر پیدا کر کے آئے۔ اس کے بعد کئی معرکوں میں کمال کرنے کا موقع ملا۔ حضرتِ عمرؓ نے آپ کو بصرہ کا والی بنایا۔ اس کے بعد کوفہ پر مامور کیا۔ اس عہدہ پر حضرت عثمانؓ نے بھی آپ کو کچھ عرصہ بحال رکھا۔ پھر سبکدوش کر دیا۔ آپ بہت عرصہ سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کش رہے۔ تحکیم کے بعد آپ حضرتِ معاویہؓ کے طرفدار ہو گئے۔ حضرتِ معاویہؓ سے حضرتِ حسنؓ سے مصالحت کے بعد آپ کو کوفہ کا والی بنایا۔ آپ

---

[1] مغیرہ بن شعبہ کے حالات تہذیب التہذیب اور البدایہ والنہایہ سے ماخوذ ہیں۔

24639

وفات تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کے پاس نقط انتظامی امور تھے۔ خراج کا شعبہ نہ تھا۔

آپ نے ۵۰ ہجری میں طاعون سے وفات پائی۔[1]

۴۔ **زیاد بن ابیہ:**۔ یہ شخص طائف کی ایک ایرانی لونڈی سمیہ نام کے بطن سے تھا۔ سمیہ بیسوا تھی۔ اس لئے زیاد کے باپ کا پتہ نہ تھا۔ لوگ اسے زیاد بن ابیہ (زیاد اپنے باپ کا بیٹا) یا زیاد بن سمیہ کہتے تھے۔

زیاد ہجرت کے پہلے برس پیدا ہوا۔[2] نہایت ذہین و فطین تھا۔ تحریر و تقریر میں نو عمری سے صاحب کمال تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ابو موسیٰ اشعری والیٔ کوفہ کا سیکرٹری تھا حضرت عمرؓ اس کی لیاقت اور وجاہت کے بہت مداح تھے۔ حضرت علیؓ نے اسے فارس کا والی مقرر کیا۔ حضرت معاویہؓ نے اسے اپنی طرف پھیرنا چاہا لیکن اس نے حضرت علی کا ساتھ نہ چھوڑا حضرت علیؓ کی وفات کے بعد زیاد نے حضرت معاویہؓ کی خلافت سے انکار کیا۔ حضرت معاویہؓ کو ایک ترکیب سوجھی۔ چند گواہوں سے شہادت دلوائی کہ قبل اسلام کے ایام میں حضرت ابو سفیان نے سمیہ کے ساتھ لغزش کی تھی جس سے زیاد پیدا ہوا۔ زیاد کو ابو سفیانی نسب ملنے پر بہت خوشی ہوئی اور حضرت معاویہؓ کا تہ دل سے وفادار ہو گیا۔[3]

حضرت معاویہؓ نے ۴۵ھ ہجری میں زیاد کو بصرہ کا والی بنایا۔ وہاں

---

[1] مغیرہ بن شعبہ کے حالات تہذیب التہذیب اور البدایہ والنہایہ سے ماخوذ ہیں [2] ابن اثیر [3] ابن اثیر۔ ابن کثیر۔

انتہائی بدنظمی تھی۔ زیاد نے جاتے ہی ایک دہشت انگیز تقریر کی اور کہا کہ جو شخص رات چھا جانے کے بعد گھر سے نکلے گا اسے قتل کر دوں گا۔ اس نے پولیس کی تعداد چار ہزار کر دی[1]

زیاد ادنیٰ ادنیٰ شبہ پر لوگوں کی گردن اڑا دیتا تھا۔ بصرہ کی حالت ایسی سدھری کہ کوئی کسی کی گری ہوئی چیز تک نہیں اٹھاتا تھا۔ لوگ رات کو دروازے کھلے رکھتے تھے۔ جب مغیرہ بن شعبہ نے ۵۰ ہجری میں انتقال کیا تو کوفہ بھی زیاد کی ولایت میں آگیا۔ وہ پہلا شخص ہے جسے عراق کے یہ دونوں صوبے اکٹھے ملے۔ کوفہ میں بھی اس نے آہنی گرفت سے نظم و نسق بحال کیا[2] ایک ایک شخص کے حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتا تھا[3]

زیاد نے ۵۳ ہجری میں طاعون سے وفات پائی[4]۔ وفات سے قبل حجاز کی حکومت کا پروانہ بھی اس کے نام جاری ہو گیا تھا۔ لیکن اس کا اختیار سنبھالنے سے پہلے ہی اجل نے آ لیا۔ کوفہ سے باہر دفن ہوا[4]

زیاد کا رنگ سرخ تھا۔ دائیں آنکھ چھوٹی تھی۔ قمیص پر بارہا پیوند لگے ہوئے تھے[5]

مخالفین

حضرت معاویہؓ بہت خوش بخت تھے۔ ان کے مقابل کوئی پرزور سیاسی قوت نہ تھی۔ شیعہ علیؓ حضرت معاویہؓ کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد ان کے لئے سوائے خاموشی کے چارہ نہ تھا۔ حضرت معاویہؓ

---

[1] ابن اثیر۔ [2] ابن اثیر۔ [3] یعقوبی۔ [4] ابن اثیر۔ ابن کثیر
[5] ابن اثیر۔

کے عہد میں ان کے حکم سے یہ مذموم رسم چلی کہ امرائے سلطنت بر سرِ منبر حضرتِ علیؓ کے خلاف گستاخانہ تقریریں کرنے لگے۔

حضرتِ علیؓ کے ارادت مند بُرا مانتے تھے اور امراء کو بعض دفعہ سرِ مجلس ٹوکتے تھے۔ حضرتِ معاویہؓ نے ان کے خلاف سخت قدم اٹھایا اور حضرتِ حُجر بن عدی ایسے صحابیؓ کو ان کے ساتھیوں سمیت قتل کرا دیا۔

حضرتِ حُجر بن عدی کے قتل کا واقعہ نہایت اہم ہے۔ آپ ایک مقتدر اور محترم صحابی تھے۔ کوفہ میں مقیم تھے۔ جب امرائے کوفہ مسجد میں حضرتِ علیؓ کے خلاف زبانِ طعن کھولتے تو آپ اظہار نفرت کے لئے ان پر کنکریاں پھینکتے تھے۔ زیاد بن ابیہ کوفہ کا گورنر ہو کر آیا اور حضرت علیؓ کے خلاف تقریر کی تو حضرتِ حُجر نے چند اشخاص کے ہمراہ اس پر کنکر پھینکے۔ زیاد نے آپ سے تو درگزر کیا لیکن کنکر پھینکنے والے دیگر آدمیوں کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ بعد میں زیاد نے آپ کے خلاف حضرتِ معاویہؓ کو لکھا کہ ان کی ذات، کوفہ میں شیعیت کا مرکز ہے اس لئے ان کے خلاف قدم اٹھانا چاہیئے۔ حضرتِ معاویہؓ نے حکم بھیجا کہ گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ زیاد نے حضرتِ حُجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو پابہ زنجیر کر کے حضرت معاویہؓ کے پاس روانہ کر دیا۔ حضرتِ معاویہؓ نے انہیں قتل کروا دیا۔ حضرتِ عائشہؓ کو جب خبر لگی کہ حُجر بن عدی کو حضرت معاویہؓ کے پاس روانہ کر دیا گیا ہے تو انہیں تشویش ہوئی۔ اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو سفارش کے لئے بھیجا لیکن ان کے پہنچنے سے قبل حضرتِ حُجر شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ اس واقعہ کے بعد اہل بیت کے طرفدار مقابلہ پر نہیں اٹھے۔

خوارج

حضرت معاویہؓ کا دوسرا مخالف گروہ خوارج کا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ صرف حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ عمرؓ برحق

خلیفہ تھے ۔ خوارج نہایت پختہ عقیدہ اور جان باز لوگ تھے ۔ عجم کی شورش پسند زمین میں انہوں نے بہت زور پیدا کیا ۔ ان کی سرگرمیاں بند ہونے پر نہیں آتی تھیں ۔ ان کا ایک سردار مرجاتا تو دوسرا اٹھ کھڑا ہوتا تھا ۔ ان کا سب سے بڑا مرکز کوفہ تھا جہاں انہوں نے ارباب اختیار کو واماندہ کر دیا تھا مغیرہ بن شعبہ والی ہوئے تو انہوں نے ایک زوردار تقریر کی اور کہا کہ جس قبیلہ میں کوئی خارجی پایا گیا اسے عبرتناک سزا دوں گا ۔ سردارانِ قبائل نے مغیرہ کے ساتھ تعاون کا ذمہ لیا ۔ خوارج نے یہ صورتِ حالات دیکھی تو شہر سے کھسک گئے ۔ مغیرہ نے ان کے پیچھے فوج بھیجی ۔ پے در پے معرکے ہوئے ۔ خوارج کا زور ٹوٹ گیا لیکن ایک مدت بعد دوبارہ اٹھے اور ایسے مٹے کہ گویا کوئی زندہ نہ رہا لیکن ان کی فصل چند ہفتہ بعد اچانک پھر اُگ آئی ۔ اب انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ معرکوں کا ایک طویل سلسلہ چھیڑ دیا ۔

جنگی مہمات

حضرتِ معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں جنگ کے کئی محاذ قائم رہے ۔ مثلاً :-

۱ ۔ ترکستان :- یہ خطہ سنگلاخ اور کوہستانی تھا ۔ رستے تنگ پُرپیچ اور دشوار تھے ۔ کوہی ندیاں جگہ جگہ حائل تھیں ۔ لوگ جری اور جان باز تھے بت پرست ہونے کی وجہ سے آئے دن اسلامی حکومت سے باغی ہو بیٹھتے تھے ۔ خلافت راشدہ کے دوران کابل اور غزنہ و مکران تک کے علاقے مطیع کر لیے گئے تھے ۔ حضرتِ معاویہؓ نے کارِ خلافت سنبھالا تو کئی علاقوں نے عہد شکنی اور سرکشی کی ۔ اسلامی افواج ۴۱ سے ۴۷ ہجری تک بلخ کے شہر کو مغلوب کرتی ہوئی کابل ، زابلستان (غزنہ اور اس کے اضلاع) اور کوہستانِ غور پر چھا گئیں [1] ۔

---

[1] ابن اثیر ۔ بلاذری

۵۴ ہجری میں فتوحات کے قدم پھر اٹھے ۔ بخارا کے علاقے ایک ایک کر کے فتح ہوئے ۔ ملکۂ بخارا نے ترکوں کو مدد کے لئے بلایا ۔ انہوں نے شکست کھائی اور ملکہ نے خراج پر صلح کر لی[1]۔ اس کے بعد سمرقند کی باری آئی ۔ اسے بھی زیر کر لیا گیا[2]۔

حکم بن عمرو پہلے صحابی ہیں جنہوں نے ۵۰ ہجری میں ماوراء النہر میں نماز ادا کی تھی[3]۔

۲۔ افریقیہ :- شمالی افریقیہ کے لوگ بربر کہلاتے تھے ۔ ترکستانی قبائل کی طرح یہ بھی بہت دلاور اور سرکش تھے ۔ اسلامی لشکر گوشمالی کے لئے آتے تو سرِ تسلیم خم کر دیتے اور جب وہ پلٹتے تو پھر بغاوت پر اتر آتے ۔

حضرت معاویہؓ نے اس محاذ پر حضرت عقبہ بن نافع اور حضرت معاویہ بن خدیج کو مامور کیا ۔ یہ دونوں جرنیل لازوال شہرت کے مالک ہیں ۔

حضرت عقبہ بن نافع فاتح مصر عمرو بن العاص کے والدہ کی طرف سے بھائی تھے ۔ جن دنوں عمرو بن العاص مصر کے گورنر تھے عقبہ سرحدی علاقوں پر جہاد کرتے رہے ۔ حضرت معاویہؓ بن خدیج صحابی تھے فتح مصر میں شریک تھے ۔ اسکندریہ کی فتح کی خبر آپ ہی حضرت عمرؓ کے پاس لائے تھے بربر کا خوب تجربہ رکھتے تھے ۔ عقبہ اور ابن خدیج نے بلادِ افریقیہ کے کئی حصے فتح کئے ۔ عقبہ بن نافع فہری نے قیروان کا شہر بسایا تبلیغ اسلام کی طرف دل لگا کر توجہ دی نتیجۃً بربر کی ایک کثیر تعداد اسلام لائی تھی[4]۔

حضرت معاویہؓ بن خدیج نے ۵۳ ہجری میں مصر میں وفات پائی[5]۔

---

[1] بلاذری [2] ابن کثیر [3] ابن کثیر - ابن اثیر [4] بلاذری [5] بلاذری - ابن اثیر - ابن کثیر [6] ابن کثیر

حضرت عقبہ کے مزید حالات یزید کے عہد میں آئیں گے۔

۳۔ سندھ:۔ ۴۳ ہجری میں عبداللہ بن سوار نے قیقان (قلات) تک تاراج کی۔ وہ اس مہم میں کام آیا۔ ۴۴ھ میں اس کی جگہ مُہَلَّب بن ابی صُفرہ نے سنبھالی۔ وہ ملتان اور کابل کے درمیانہ علاقوں تک پہنچ گیا۔ مؤرخین نے بنہ اور الاہوار کے شہروں کا ذکر کیا[1]۔ ممکن ہے الاہوار سے مراد لاہور ہو لیکن یہ لاہور نام کا وہ قصبہ ہوگا جو سرحدی علاقہ میں مردان کے قریب واقع ہے۔

۴۔ رومی محاذ:۔ رومی محاذ پر سال بھر معرکے گرم رہتے تھے۔ اہل اسلام کی ایک مہم گرمیوں میں جاتی تھی اور ایک سردیوں میں۔ ۴۹ ہجری میں قسطنطنیہ پر حملہ ہوا۔ پہلے سفیان بن عوف ایک کثیر التعداد فوج لے کر گیا۔ یہ فوج رومی علاقہ میں جا کر مشکلات میں گھر گئی۔ حضرت معاویہؓ نے اس کی مدد پر اپنے بیٹے یزید کو بھیجا۔ اس کے ساتھ بعض بہت بلند پایہ صحابی مثلاً ابن عباسؓ۔ ابن عمرؓ۔ ابن زبیرؓ ابو ایوب انصاریؓ وغیرہ شامل تھے[2]۔

مجاہدین لڑتے بھڑتے قسطنطنیہ پہنچے۔ کئی خون ریز جھڑپیں ہوئیں اور مہم ناکام لوٹی[3]۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اس جہاد میں وفات پائی۔ ان کو شہر کے دروازہ کے قریب فصیل کے سایہ میں دفن کیا گیا[4]۔

رومیوں کے ساتھ بحری لڑائیاں بھی ہوئیں۔ ۵۳ ہجری میں روڈس کا جزیرہ فتح ہوا۔ مجاہدین کا ایک گروہ وہاں مقیم ہو گیا۔ اس نے یورپی جہازوں کی آمد و رفت خطرہ میں ڈال دی۔ ۵۴ ہجری میں ارواڈ کا جزیرہ

---

[1] ابن اثیر۔ بلاذری [2] طبری [3] ابن اثیر [4] ابن اثیر۔ ابن کثیر

سلسلہ کوہ کاکیشیا
بحیرۂ اسود
ایشیائے کوچک
بخارا
سمرقند
نیشاپور
بلخ
کابل
مکران
بحیرۂ عرب

آرمینیہ
تبریز
بحیرہ خضر
آذربائجان
دیلم
جیلان
طبرستان
جبال
دجلہ
موصل
دریائے زاب
فرات
تکریت
انبار
کوفہ
واسط
خوزستان
بصرہ
خلیج فارس

بحیرہ خوارزم
دریائے سیحون
شاش
فرغانہ
خجند
اشروسنہ
بخارا
کش
سمرقند
صغد
بیکند
جیحون
نسف
صغانیان
ختل
بدخشان
ترمذ
بلخ
خراسان
مرو
ہرات
کابل
قوہستان
کرمان
مکران
جرجان

زیرِ تسلط آیا۔ یہاں بھی مجاہدین کی ایک تعداد مقیم ہوئی۔ یزید خلیفہ ہوا تو اس نے یہ دونوں جزیرے خالی کروا لیئے[1]۔

حضرت معاویہؓ کو رومیوں کی سرکوبی کی اتنی فکر رہتی تھی کہ آخری وصیت میں بھی ان کو دبا کر رکھنے کی ہدایت کر گئے[1]۔

یزید کی ولی عہدی

یزید کی ولی عہدی کا نقشہ سب سے پہلے مغیرہؓ بن شعبہ والیِ کوفہ کے ذہن میں آیا۔ وہ یزید کے پاس گئے اور کہا، اکابرِ صحابہ، اعیانِ قریش اور عمر رسیدہ اصحاب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی اولاد باقی ہے۔ تم رائے و تدبیر میں اور سنت و سیاست میں افضل و احسن ہو۔ میں نہیں جانتا کہ امیر المومنین کو تمہاری ولی عہدی کی بیعت لینے سے کیا چیز روک رہی ہے۔ یزید نے کہا، کیا میری بیعت ممکن ہے؟ مغیرہ بولے کیوں نہیں۔ یزید نے حضرت معاویہؓ کے پاس حاضر ہو کر مغیرہ کے خیالات پیش کئے۔ حضرت معاویہؓ نے مغیرہ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو کہا، یزید کیا کہہ رہا ہے؟ مغیرہ نے جواب دیا، میں نے حضرتِ عثمانؓ کے بعد جو اختلاف اور خونریزی دیکھی ہے اس کے پیش نظر یہ کہوں گا کہ آپ یزید کے لیئے بیعت لے لیں تاکہ بعد میں فتنہ و ہلاکت کا ظہور نہ ہو۔ حضرت معاویہؓ نے پوچھا اس معاملہ میں میرا ساتھ کون دے گا؟ کہا کوفہ کا میں ضامن ہوں اور بصرہ میں زیاد کام نکال لے گا۔ ان دو شہروں کی بیعت کے بعد کوئی شخص مخالفت ورزی نہیں کرے گا۔ حضرت معاویہؓ نے مغیرہ کو حکم دیا کہ کوفہ جا کر اس تحریک کی اشاعت کرو اور حامیوں کی جماعت پیدا کرو۔ حضرت مغیرہؓ نے کوفہ کے دس سے زائد زعماء کا وفد دمشق

---

[1] البدایہ ابن کثیر [1] البدایہ ابن کثیر

روانہ کیا۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو یقین دلایا کہ ہماری اور اہلِ کوفہ کی رائے ہے کہ یزید آپ کا جانشین ہو۔ اب حضرت معاویہؓ کا عزم پختہ ہو گیا۔ انہوں نے زیاد کا مشورہ حاصل کرنے کے لئے قاصد بھیجا۔ زیاد نے زبید بن کعب نمیری کو بلا کر تنہائی میں کہا کہ امیر المومنین نے یزید کی ولی عہدی کے بارہ میں مشورہ کی خاطر خط لکھا ہے۔ ایک طرف ان کو عوام کی ناراضی کا خدشہ ہے اور دوسری طرف ان کی خواہش بھی ہے۔ امارتِ اسلام کا مسئلہ بہت عظیم ذمہ داری ہے۔ یزید بہل کوش اور راحت پسند ہے علاوہ ہر کہ شکار میں کھویا رہتا ہے۔ تم امیر المومنین کے پاس جاؤ، یزید کے اشغال سے انہیں متنبہ کرو اور کہو کہ جلدی نہ کیجئے۔ تاخیر میں کامیاب ہونا عجلت میں ناکام رہنے سے بہتر ہے۔ زبید نے کہا کہ امیر المومنین کو یزید سے بدظن کرنے کے مقابلہ میں بہتر ہے کہ خود یزید کے پاس جاؤں اور اسے نصیحت کروں۔ زیاد نے صاد کیا۔ زبید نے جا کر یزید کو سمجھایا۔ اس نے بہت حد تک اصلاح کر لی۔ زبید کے ہاتھ زیاد نے حضرت معاویہؓ کو خط لکھا کہ جلدی نہ کیجئے اور تامل سے کام لیجئے۔[1]

زیاد نے ۵۳ ہجری میں قضا کی۔ حضرت معاویہؓ نے یزید کے لئے بیعت حاصل کرنے پر کمر باندھ لی۔ عراق میں میدان ہموار تھا۔ حجاز سے مخالفت کا اندیشہ تھا۔ آپ نے مدینہ کے والی مروان کو حکم لکھا کہ میری عمر ڈھل چکی اور ہڈیاں چور ہو چکی ہیں۔ مجھے اپنے بعد اختلافِ امت کا ڈر ہے۔ میری رائے ہے کہ لوگوں سے پوچھ لوں کہ میرا جانشین کون ہو۔ مروان نے عوام میں حضرت معاویہؓ کے عندیہ

---

[1] ابن اثیر۔

کا اظہار کیا۔ لوگوں نے کہا، انہوں نے درست بات کہی ہے جسے چاہیں ولی عہد نامزد کر لیں اور دیر نہ کریں۔

حضرت معاویہؓ کے پاس مروان کی طرف سے اطلاع پہنچی تو آپ نے یزید کا نام لکھ بھیجا۔ مروان نے لوگوں میں یہ اعلان کیا تو عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کھڑے ہو گئے اور کہا اے مروان! تم اور معاویہؓ دونوں جھوٹے ہو۔ اس انتخاب میں تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بہتری منظور نہیں ہے۔ تم خلافت کو ہرقلیت بنانا چاہتے ہو کہ ایک ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل اٹھ کھڑا ہو۔ پھر حضرت حسینؓ نے اس کے انکار کا اعلان کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی ان کی تائید کی۔ مروان نے حضرت معاویہؓ کو اطلاع بھیج دی۔[1] انہوں نے اس کے بعد صوبوں سے وفد منگوا کر یزید کی بیعت لے لی۔ جب عراق اور شام والوں کی بیعت ہو چکی تو ایک ہزار سوار لے کر حجاز کا عزم کیا۔[2]

حضرت معاویہؓ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضرت حسینؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ استقبال کے لیے آئے۔ آپ نے ان چاروں اصحابؓ کے سلام کا جواب ترشی سے دیا اور منہ موڑ لیا۔ انہوں نے یہ سلوک دیکھا تو مکہ تشریف لے گئے۔ حضرت معاویہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں اگر حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے یزید کی بیعت نہ کی تو میں انہیں ہلاک کر دوں گا۔ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا کہ ان اصحاب کی شان اس سے بہت بالا ہے۔ لیکن میں یزید

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر۔ ابن کثیر

کی بیعت لے چکا ہوں - ان حضرات کے سوا دیگر لوگوں نے بیعت کر لی ہے - کیا اب بیعت کے مکمل ہونے کے بعد میں اسے توڑ دوں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا - آپ نرمی سے کام لیجئے - وہ انشاء اللہ آپ سے موافقت کریں گے - حضرت معاویہؓ بولے میں آپ کی فرمائش کے موافق عمل کروں گا۔[1]

چند روز بعد حضرت معاویہؓ نے مکہ کا سفر کیا - یہ چار اصحاب آپ کی پیشوائی کو مَرِّ الظہران کے مقام پر آ گئے - حضرت معاویہؓ نے تلطف کا اظہار کیا اور انہیں ساتھ لے کر چلے۔

چند دن بعد حضرت معاویہؓ نے ان اصحاب سے بیعت کے بارے میں پھر گفتگو کرنا چاہی - یہ آپس میں طے کر چکے تھے کہ ہم یزید کی ولی عہدی تسلیم نہیں کریں گے - انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنی طرف سے کلام کرنے کا مجاز بنایا - جب وہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھ میری روش کیا رہی ہے - آپ میری قرابت پروری اور رضا جوئی سے بھی واقف ہیں - یزید آپ لوگوں کا بھائی اور عم زادہ ہے میں چاہتا ہوں کہ خلافت اس کے نام سے ہو اور سررشتہ کار آپ کے ہاتھ میں ہو - حضرت ابن زبیرؓ نے جواب دیا کہ ہم آپ کو تین باتوں کا اختیار دیتے ہیں - یا تو آپ ہادی اکبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال کو سامنے رکھیے - حضورؐ نے کسی کو نامزد نہیں فرمایا - لوگوں نے اپنی پسند سے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا - یا آپ حضرت ابوبکرؓ کی تقلید کیجئے - انہوں نے ایک ایسے قریشی فرد کو چنا جو ان کا قریبی رشتہ دار

---

[1] ابن اثیر

نہ تھا۔ ورنہ آپ حضرت عمرؓ کے طریق کار پر چلئے، انہوں نے چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ بنائی جس میں ان کا کوئی بیٹا یا قریبی رشتہ دار نہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں اس موضوع پر عوام کے سامنے تقریر کر رہا ہوں اگر تم میں سے کسی نے میری تردید کی تو اس کا سر اڑا دوں گا۔ آپ نے پہرہ داروں کو بلایا اور حکم دیا کہ ان اصحاب میں سے ہر ایک کے سر پر تم میں سے دو آدمی کھڑے رہیں۔ اگر انہوں نے بر سر مجلس ایک لفظ بھی کہا تو فوراً تلوار مار دینا۔ اس کے بعد آپ انہیں ساتھ لے کر باہر نکلے۔ منبر پر چڑھے اور حمد و ثناء کے بعد کہا کہ یہ اصحاب مسلمانوں کے افضل ترین سردار ہیں۔ ان کے مشورہ کے بغیر نہ کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے اور نہ قدم اٹھایا جا سکتا ہے انہوں نے راضی ہو کر یزید کی بیعت کر لی ہے۔ تم بھی اللہ کا نام لو اور بیعت کرو۔ عوام جو ان اصحاب کے فیصلہ کے منتظر تھے اٹھے اور بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ سوار ہو کر مدینہ کوچ کر گئے[1]

بعد میں لوگوں نے حضرت حسینؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ سے کہا کہ آپ لوگ کہتے تھے ہم بیعت نہیں کریں گے۔ پھر کس لیئے مان گئے؟ انہوں نے جواب دیا۔ واللہ! ہم نے بیعت نہیں کی۔ لوگوں نے پوچھا، بر سر عام تردید کیوں نہ کی؟ بولے ہمیں جان کا خطرہ تھا[2]

---

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر نے جو روایت اختیار کی ہے اس میں مذکور ہے کہ یہ واقعہ مدینہ میں ہوا۔ دونوں روایتوں کے مضمون میں فرق نہیں ہم نے ابن اثیر کی روایت کو لیا ہے کیونکہ اردو کی تاریخوں میں یہی روایت مندرج ہوتی ہے۔ [2] ابن اثیر

وفات حضرت معاویہؓ نے ۶۰ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ستر برس سے زائد تھی۔

جن دنوں حضرت معاویہؓ بیمار تھے۔ یزید شکار پر گیا ہوا تھا۔ آپ نے دو افسروں کو بلا کر وصیت کی کہ یزید کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ اہلِ حجاز کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنا۔ اگر اہلِ عراق ہر روز مطالبہ کریں کہ ان کا گورنر بدل دو تو مان لینا۔ میرے نزدیک ایک عامل کی تبدیلی اس سے بہتر ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تمہارے خلاف بے نیام ہو جائیں۔ اہلِ شام کے ساتھ مروت سے پیش آنا، انہیں مددگار بنانا اور ان کا حق پہنچاتے رہنا۔ مجھے قریش میں سے صرف ان تین آدمیوں سے تمہارے بارہ میں اندیشہ ہے: حضرت حسینؓ، ابن عمرؓ، اور ابن زبیرؓ۔ ابن عمرؓ عبادت میں کھوئے ہوئے ہیں۔ حضرت حسینؓ سے تمہارا قریبی رشتہ ہے ان کا بہت حق ہے اور انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت حاصل ہے۔ مجھے گمان ہے کہ عراق والے ان کو تمہارے خلاف لاکر رہیں گے۔ اگر تم ان پر قدرت پاؤ تو درگزر کرنا کیونکہ میرا ان سے واسطہ ہے تو معاف کر دیں۔ رہا ابن زبیرؓ تو وہ بہت حیلہ پرور ہے۔ اگر تمہارے مقابل آئے تو اس سے کھل کر جنگ کرنا سوائے اس کے کہ وہ امن کی التماس کرے۔ اگر وہ صلح چاہے تو منظور کر لینا۔ جہاں تک ممکن ہو اپنی قوم کی خون ریزی سے بچنا۔

وصیت کے بارے میں دو روایات ہیں جو قدرے مختلف ہیں۔ ایک روایت میں عبد الرحمٰن بن ابو بکرؓ کا ذکر ہے اور حضرت ابن زبیرؓ کے بارہ میں سخت الفاظ ہیں۔ مورخین اور محدثین اس بات پر

متفق ہیں کہ عبد الرحمٰن بن ابو بکرؓ نے حضرت معاویہؓ سے پہلے وفات پائی۔ اس لئے ہم اس روایت کو باور کرنے سے تیار نہیں۔ صحیح روایت وہی ہے جو یہاں بیان کی گئی ہے[1]

حضرت معاویہؓ کی مدت خلافت تقریباً بیس برس ہے۔

اوصاف و اخلاق

حضرت معاویہؓ بلند قامت، پُر گوشت اور پُر وجاہت تھے۔ چہرے سے جلال ٹپکتا تھا۔ حضرت عمرؓ انہیں دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ یہ عرب کے کسریٰ ہیں[2]

آپ بہت بلند سیرت انسان تھے۔ وقار کے ساتھ ساتھ حلم و تحمل کے اوصاف سے بھی بدرجہ اتم بہرہ مند تھے۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں تشریف لائے تو لوگ کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ہادیٔ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث سنائی کہ جو آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے سروقد کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرے گا۔

آپ کو بعض آدمی بھرے دربار میں مذاق کا نشانہ بنا لیتے تھے لیکن آپ شگفتہ روئی سے پیش آتے تھے۔ آپ صبر و تحمل کا پیکر تھے۔ لوگ آپ سے بے باکانہ کلام کر جاتے اور آپ فراخ دلی سے برداشت کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ سیدھے چلیں ورنہ ہم آپ کو سیدھا کر دیں گے۔ آپ نے پوچھا، کاہے سے سیدھا کرو گے؟ بولا، ڈنڈے سے۔ آپ نے کہا، تو پھر ہم

---

[1] ابن کثیر۔ تاریخ الخلفاء [2] ابن اثیر، تاریخ الخلفاء [3] ابن اثیر

سیدھے ہو جائیں گے[1]

آپ کا قول ہے: خدا کی قسم میں اس شخص پر تلوار نہیں اٹھاتا جس کے پاس تلوار نہیں[2]

ایک شخص نے آپ کے سامنے زیاد کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا زیاد نے تلوار سے اتنا کچھ حاصل نہیں کیا جتنا میں نے زبان سے حاصل کیا ہے[3]

آپ کو اللہ تعالیٰ نے صحیح اور صائب نظر عطا کی تھی۔ آپ ذہانت اور زیرکی کی دولت سے مالا مال تھے۔ حضرتِ عمرؓ نے ایک دفعہ آپ کے بارے میں کہا تھا کہ تم لوگ قیصر و کسریٰ اور ان کی سیاست کی باتیں کرتے ہو حالانکہ تم میں معاویہ موجود ہیں[4]

حضرتِ معاویہؓ نہایت مردم شناس اور مرتبہ دان تھے۔ سب کے ساتھ ایک سا سلوک روا نہیں رکھتے تھے۔ آدمی آدمی دیکھ کر برتتے تھے[5]

حضرت معاویہؓ کی حکومت پر تبصرہ

آئین و سیاست

آئینی لحاظ سے حضرتِ معاویہؓ کی حکومت کو ہم محدود ملوکیت کہہ سکتے ہیں۔ آپ نے خلافتِ راشدہ کا دور ختم کر کے ملوکیت کی بنیاد رکھی۔ لیکن یہ ملوکیت کلیتہً مطلق العنان نہ تھی۔ اگرچہ آئینی لحاظ سے آپ شوریٰ کے پابند

---

[1] تاریخ الخلفاء [2] ابن کثیر [3] عیون الاخبار ۱۔۱۷ [4] ابن اثیر [5] ابن کثیر

نہ تھے لیکن آپ مشیروں اور ذی رائے اصحاب سے مشورت کیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ جو شخص قومی خزانہ سے ایک حبہ بھی اپنی مرضی سے خرچ کرے وہ خلیفہ نہیں بادشاہ ہے۔ اس لحاظ سے حضرتِ معاویہؓ نے بادشاہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ بیت المال کو اپنی مرضی سے صرف کرتے تھے اور شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے ذاتی حفاظت کے لئے پہرہ دار اور دربان مقرر کئے۔ یہاں تک کہ مسجدوں میں اپنے لئے الگ مقصورے بنائے تاکہ کوئی شخص حملہ نہ کرنے پائے۔

حضرتِ معاویہؓ کی رعیت نے خلافتِ راشدہ کے دن دیکھے تھے اس لئے آپ کو ان کے ساتھ نہایت احتیاط کا برتاؤ کرنا پڑتا تھا۔ آپ نے آزادیِ رائے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ آپ کا قول ہے کہ جب تک عوام میرے اور میری حکومت کے درمیان حائل نہ ہوں میں ان کے اور ان کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا۔[1] آپ لوگوں کی شکایت پر امراء کو معزول کر دیتے تھے یہاں تک کہ مروان بن حکم کو دوبار معزول کیا۔ یزید کو وصیت کی کہ اگر عراق کے لوگ تمہیں ہر روز ایک عامل بدلنے کو کہیں تو تسلیم کرنا۔

حضرت معاویہؓ کی سیاسی پالیسی کے تین بنیادی عناصر یہ تھے: تحمل، زرپاشی اور اسیریت۔ آپ بڑے سے بڑے مخالفین کے ساتھ بھی ابتداءً نہایت فراخ دلی سے پیش آتے تھے۔ ہر ممکن طریقہ سے اس کی مزاج برداری کرتے تھے۔ زر و سیم کے نوالہ سے اس کا منہ

---

[1] ابن اثیر

بند کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ سیاسی مقاصد کے لئے بے دریغ روپیہ لٹاتے تھے۔ آپ کے اسی حربہ کے طفیل حضرت عقیل اپنے بھائی حضرت علیؓ کو چھوڑ کر آپ کے پاس آ گئے۔ اگر دشمن پر نہ آپ کا تپاک اثر کرتا اور نہ دولت کا فسوں چلتا تو آپ اس کے خلاف پراسرار ذرائع برتتے تھے۔ نہایت کامیابی سے عوام میں اس کے خلاف چرچا پھیلا دیتے یا زہر سے اس کا صفایا کر دیتے تھے۔ ورنہ محاذ جنگ کی اگلی صفوں میں بھیج دیتے تاکہ اسی طرح شاید ٹھکانے لگ جائے۔ تلوار آپ کا آخری حربہ ہوتا تھا۔ آپ کا قول ہے :-

> جہاں میرا کوڑا کفایت کرتا ہے وہاں تلوار کو بار نہیں دیتا اور جہاں میری زبان کام دے جائے وہاں کوڑے کو نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال بھی ہو تو اس سے تعلق نہ توڑوں۔ جب وہ اسے کھینچیں تو میں اسے ڈھیلا چھوڑ دوں اور اگر وہ اسے ڈھیلا چھوڑیں تو میں اپنی طرف کھینچوں لے

جہاں سختی کی ضرورت ہوتی وہاں حضرت معاویہؓ بے دریغ سختی کرتے تھے۔ آپ نے ابن عامر کو اس شکایت پر بصرہ سے معزول کر دیا کہ وہ مجرموں سے نرمی کرتا تھا۔ آپ اسلام میں پہلے شخص ہیں جس نے دشمن کا سر کٹوا کر پھروایا۔ آپ نے ایک گورنر کو لکھا کہ میں نرم ہوں۔ تم سختی کرو۔ ورنہ لوگ بے باک ہو جائیں گے اور اگر تم زیادہ سختی

لے یعقوبی

کر بیٹھ گئے تو بھاگ کر میرے پاس پناہ لے لیں گے۔

مرکزی حکومت

مرکزی حکومت کا اختیارِ اعلیٰ حضرت معاویہؓ کے اپنے ہاتھ میں تھا۔ صوبائی انتظام ولاۃ کے ذمے تھا لیکن جو علاقے دار الخلافہ یعنی دمشق کے قریب تھے وہ براہ راست مرکز کے تحت تھے۔

عہدہ داروں کا انتخاب حضرت معاویہؓ اپنی مرضی سے کرتے تھے۔ اس کے لئے ان کے مد نظر دو وصف ہوتے تھے: (۱) اہلیت اور (۲) وفاداری۔ حضرت معاویہؓ کی کامیابی کا ایک راز یہ تھا کہ آپ عہدہ داروں کے انتخاب میں انتہائی بصیرت اور احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اس معاملہ میں خاندانی تعلقات آپ پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ نے شاید ہی کسی اموی فرد کو کوئی ممتازہ عہدہ دیا۔

مرکز میں کئی عہدہ دار تھے۔ اہم ترین عہدے کاتب (سیکرٹری) اور حاجب کے تھے۔ ان کے علاوہ مختلف محکموں کے سربراہ مقرر تھے جن کو وزراء کا سا مرتبہ حاصل تھا۔

کاتب یا سیکرٹری کے پاس انتظامی امور نہیں ہوتے تھے۔ وہ مرکزی دفتر کا افسرِ اعلیٰ ہوتا تھا۔

کاتب کے لئے لازم تھا کہ عمدہ انشاء پرداز ہو۔ اسے حکومت کے کئی اسرار میں شرکت حاصل ہوتی تھی۔ اس لئے اس کا از بس قابلِ اعتماد ہونا ضروری تھا۔ حضرت معاویہؓ نے خلافتِ راشدہ کے طریق کے برعکس اس منصب پر ایک عیسائی سرجون نام کو مقرر کر رکھا تھا۔

حاجب خلیفہ اور رعیت کے درمیان افسرِ رابطہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ملاقاتیوں کو خلیفہ کی بارگاہ میں پہنچانا اسی کے ذمے تھا۔

حاجب کو خلیفہ سے بہت قرب حاصل تھا اس لئے خلیفہ کے مزاج میں بہت دخل رکھتا تھا۔

مرکز کا کوئی وسیع دفتری کاروبار نہ تھا۔ اس کا ایک نہایت منضبط نظام تھا۔ اس کے کئی شعبے تھے جن میں مندرجۂ ذیل بہت اہم تھے۔

۱۔ **دیوانِ اموال**:۔ یہ مالیات کا دفتر تھا۔ اس میں آمد اور خرچ کا حساب ہوتا تھا۔

آمدن کی مدات یہ تھیں: زکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ، غنیمت، شاہی جاگیریں، تحائف وغیرہ۔

مرکز کا بیشتر روپیہ صوبوں کی معرفت آتا تھا۔ البتہ خلیفہ کو جو تحائف وصول ہوتے تھے وہ آمدن کا بلا واسطہ ذریعہ تھے۔ حضرت معاویہؓ سے پہلے تحائف وصول کرنے کا رواج نہ تھا لیکن آپ نے لوگوں کو اس طرف رغبت دلائی۔ خصوصیت کے ساتھ مہرجان اور نوروز وغیرہ کے تہواروں پر تحائف وصول کیے جاتے تھے۔

ملک کے متعدد صوبے تھے۔ ہر صوبہ سے کثیر مال روپیہ وصول ہوتا تھا۔

۲۔ **دیوانِ عطایا (یا اعطیات)**: لوگوں کو جو وظائف ملتے تھے ان کا دفتر میں اندراج ہوتا تھا۔ حضرتِ معاویہؓ کی طرف سے ہر روز ایک عہدہ دار ابو الجلیش نام دمشق کی مجالس میں پھرتا اور لوگوں سے پوچھتا کہ کیا کوئی نومولود یا نووارد ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو اس کا نام دیوان میں درج کر لیا جاتا اور وظیفہ جاری ہو جاتا تھا۔

یہ دفتر اور اس کا طریق کار حضرتِ عمرؓ کے وقت سے چلا آتا تھا۔

۳۔ **دیوانِ خاتم**:۔ اس میں خلیفہ کے فرامین کا ریکارڈ ہوتا تھا۔ اس شعبہ کا وجود پہلے نہ تھا۔ حضرتِ معاویہؓ اس کے موجد ہیں۔ اس کی

ضرورت یوں پیش آئی کہ ایک دفعہ حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کو زیاد کے نام حکمنامہ دیا کہ اسے ایک لاکھ درہم ادا کردو۔ نامہ بردار نے تحریر میں تبدیلی کردی اور بجائے ایک کے دو لاکھ کر کے رقم وصول کر لی۔ بعد میں جانچ ہوئی تو راز کھلا۔ اس قسم کی جعلسازی کا سدِّباب ضروری تھا ورنہ جعلی خطوط سے بہت خطرات پیدا ہو سکتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ ہر فرمان سر بمہر جایا کرے اور اس کی ایک نقل دفتر میں رکھی جائے۔ دفتر والے فرمان کو تاگے سے باندھ کر لاکھ سے مہر کر دیتے تھے۔[1]

مہر کو عربی میں خاتم کہتے ہیں اس لئے اس دفتر کا نام دیوانِ خاتم پڑا۔ یہاں متفرق حکم ناموں کی نقول ہوتی تھیں۔

۴۔ برید:۔ ڈاک کے محکمہ کو برید کہتے تھے۔ اگرچہ ڈاک کا انتظام شروع سے تھا لیکن حضرت معاویہؓ نے اس کی ایسی عمدہ تنظیم کی اور اس کا دائرۂ کار اتنا پھیلایا کہ اس کے بانی کہلائے۔

ڈاک کو سرعت سے پہنچانے کے لئے جا بجا منزلیں مقرر ہوئیں جہاں تازہ دم گھوڑے تیار رہتے تھے۔ برید کے لفظی معنی ہیں بارہ میل۔ یہ نام غالباً اس لئے پڑا کہ منزل منزل میں تقریباً بارہ میل کا فاصلہ ہوتا تھا۔

محکمۂ برید کا ایک ناظم اعلیٰ ہوتا تھا جسے صاحب البرید کہتے تھے۔

۵۔ عدلیہ: عدلیہ کا محکمہ یوں تو انتظامیہ سے الگ تھا لیکن انتظامی

---

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ کتاب الوزراء جہشیاری [2] ابن اثیر۔ الفخری۔

ضرورتوں کے سلسلہ میں حضرت معاویہؓ نہایت وسیع عدالتی اختیارات رکھتے تھے۔ وہ قید و بند کے علاوہ موت کی سزا بھی دیتے تھے لیکن جہاں تک عوام کے باہمی عدالت کا تعلق ہے۔ حضرت معاویہؓ دخل نہیں دیتے تھے۔

عدالت کا معیار نہایت ہی بلند تھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابودرداءؓ ایسے قاضی موجود تھے۔

قاضی دمشق دارالخلافہ اور اس کے نواح کے عدلیہ کا افسر ہوتا تھا۔ ہر صوبہ میں الگ قاضی مامور تھا۔

(۱) شرطہ: پولیس کو شرطہ کہتے تھے۔ اس کی مستقل تنظیم ہوتی تھی۔ دمشق کی شرطہ براہ راست مرکزی حکومت کے تحت تھی۔ اس کا کام مجرموں کا مواخذہ اور اوباشوں کی سرکوبی تھا۔ اس کا ناظم اعلیٰ صاحب الشرطہ کہلاتا تھا۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں شرطہ بکثرت مستعمل تھی۔ دمشق میں جو لوگ اخلاقاً مشتبہ تھے ان کے نام رجسٹروں میں درج ہوتے تھے۔

تمام قلمرو میں نہایت وسیع اور عمدہ جاسوسی نظام تھا۔ مجرموں کا حکومت کی آنکھ سے بچ نکلنا بہت مشکل تھا۔ ممکن ہے جاسوسی کا محکمہ شرطہ ہی سے منسلک ہو۔

(۲) حرس: خلیفہ کے محافظ دستہ کو حرس کہتے تھے۔ خلافت راشدہ کے ایام میں حرس کا وجود نہ تھا لیکن جب لوگ خلفاء پر حملے کرنے میں جری ہو گئے تو حضرت معاویہؓ نے حرس کا اہتمام کیا۔

احداث: یہ نوجوانوں کی ایک عارضی فوج ہوتی تھی جو ہنگامی بدنظمی پر فوراً قابو پاتی تھی۔ احداث کے بانی حضرت عمر فاروقؓ تھے (ابن خلدون) لیکن تنظیم جدید کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کو اس کا بانی

کو بہت وسعت ہوئی تو آپ نے اس کا ایک الگ شعبہ قائم کیا جس کا نظام ایک خاص افسر کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

۱۱۔ خلیفہ کے عام معمولات :- حضرت معاویہؓ کو دربار کی بہت دھوم دھام اور ٹھاٹ باٹ کی کچہری لگتی تھی۔ لیکن خلفائے راشدین کے برعکس آپ تک ہر وقت رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ خلفائے راشدین کے دروازوں پر پہرہ دار نہیں ہوتے تھے۔ مسجد ہی ان کی جلسہ گاہ ہوتی تھی جہاں امیر و غریب ہر شخص بے روک آ سکتا تھا۔ حضرت معاویہؓ محل میں رہتے تھے جہاں وہ مقررہ اوقات پر عوام کو بار دیتے تھے۔ لیکن عوام سے جب ملاقات ہوتی تھی تو بہت قرب اور انس کے ساتھ۔

آپ جب صبح ناشتہ پر بیٹھتے تو آپ کا سیکرٹری ایک ایک حاجتمند کو بلاتا۔ آپ اسے اپنے ساتھ ناشتہ پر بٹھاتے۔ وہ دو تین نوالے لیتا۔ اس دوران سیکرٹری اس کی درخواست پڑھتا اور حضرت معاویہؓ جو حکم صادر کرتے، لکھتا۔ اس کے بعد وہ سائل چلا جاتا اور دوسرا سائل آتا۔ اس طرح چالیس چالیس سائل یکے بعد دیگرے آکر کھانے میں شریک ہوتے اور درخواستوں کا فیصلہ کرواکر واپس جاتے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد عصر تک ارباب اختیار کی مجلس منعقد ہوتی۔ اسکے بعد عصر کے آخری اوقات میں دربار خاص لگتا[1]۔

صوبائی حکومت اسلامی قلمرو کئی صوبوں میں تقسیم تھی۔ ان میں شام، مصر، مکہ، مدینہ، کوفہ اور بصرہ بہت اہم تھے۔ ہر صوبہ ایک والی (گورنر) کے تحت ہوتا تھا۔ البتہ زیاد کو کوفہ اور بصرہ دونوں صوبے سونپے گئے تھے۔

---

[1] مسعودی۔

حضرت معاویہؓ کے والی آپ کی طرح رعب انگن اطوار رکھتے تھے۔ مروان حاکم مدینہ نے حضرت معاویہؓ کی طرح نماز کے لئے مسجد میں مقصورہ بنا لیا تھا۔ زیاد جب عوام میں نکلتا تو اس کے آگے آگے ڈنڈے برچھیاں اٹھائے ہوئے سپاہی ہوتے تھے۔ ہر وقت پانچ ہزار اس کی حفاظت پر مامور رہتے تھے۔

حضرت معاویہؓ کے والیوں کو وسیع اختیارات حاصل تھے خلافتِ راشدہ میں بیت المال والی کے براہِ راست تصرف میں نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اب والیوں کو بیت المال پر پوری دسترس تھی البتہ انہیں حضرت معاویہؓ کو ہر سال حساب پیش کرنا ہوتا تھا۔

والی اپنے ماتحت افسروں کا تقرر خود کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ مناسب سمجھتے تو بعض تقرر خود بھی فرما دیتے تھے۔ والیوں کے ذمے صرف انتظامی امور نہ تھے۔ بلکہ فوجی صیغہ بھی تھا صوبہ کی حفاظت اور ملحقہ علاقوں کی مہمات کی زمام والی کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔

صوبائی حکومت کے بھی تقریباً وہی شعبے تھے جو مرکزی حکومت کے تھے۔ مثلاً دیوانِ خاتم، دیوانِ العطیات، دیوانِ اموال، شرطہ اور فوج۔ سوائے دیوانِ اموال کے باقی دفتر عربی میں تھے۔ دفاترِ اموال اپنے اپنے صوبہ کی قدیم زبان میں تھے اس لیے ان کا عملہ بھی بالعموم وہاں لوگوں سے بھرتی ہوتا تھا۔ حمص کے دیوانِ اموال کا سیکرٹری ایک عیسائی ابن اثال تھا[1]

صوبوں کی عدالتیں انتظامیہ سے آزاد تھیں۔ لیکن حضرت معاویہؓ کی طرح والیوں کو بھی انتظامی ضرورت کے لئے سزا کے انتہائی

---

[1] کتاب الوزراء جہشیاری

اختیارات حاصل تھے ۔ جسے چاہتے قتل کر دیتے ۔ کوئی پرسش نہیں ہوتی تھی ۔

حضرتِ معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں صوبوں میں مکمل امن و امان تھا۔ زیاد نے اپنے صوبہ میں شرطہ کی تعداد چار ہزار کر دی تھی ۔ وہ مشتبہ آدمیوں کی بھی گردن اڑا دیتا تھا

اہلِ ذمہ

اسلامی آئین و قوانین کے اس شرف کو کوئی نہیں پہنچ سکے گا کہ اس نے اپنی سلطنت میں بیگانہ مذاہب کے پیروؤں سے نہایت شفقت کا سلوک کیا ۔ حضرتِ معاویہؓ اس سلسلہ میں خلافتِ راشدہ کی مقرر کردہ حدود سے بھی کچھ آگے بڑھ گیے ۔ آپ نے اہلِ ذمہ کو بعض کلیدی عہدے دئے ۔ حالانکہ خلفائے راشدین اس پالیسی کے خلاف تھے ۔ حضرتِ معاویہؓ جس طرح مسلم رعایا کی خوشنودی حاصل کرنے کو عین کامیابی سمجھتے تھے اسی طرح اہلِ ذمہ کی رضا کے بھی جُویا رہتے تھے اور ان کے ساتھ نہایت مربیانہ برتاؤ کرتے تھے ۔

متفرق کارنامے

حضرتِ معاویہؓ کا بیست سالہ دورِ حکومت امن و سکون کا دور تھا اس لئے آپ کو انتظامی اور تعمیری امور کی طرف توجہ دینے کا بہت وقت ملا ۔ آپ کے ہاتھوں کئی کارنامے ظہور میں آئے ۔ انتظامی کارناموں کا ذکر آ چکا ہے ۔ ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ۔ دیگر نمایاں کارنامے مندرجہ ذیل تھے ۔

۱۔ **قیروان کی آبادی:** ۔ ۵۰ ہجری میں افریقیہ میں قیروان کا شہر بسایا گیا یہاں پہلے ایک خوف ناک جنگل تھا ۔ درندوں ، اژدہوں اور مہلک بچھوؤں کی اس قدر بہتات تھی کہ کوئی آدمی ادھر کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ عقبہ بن نافع نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی ۔ سب جاندار جنگل چھوڑ کر چل دئے ۔ یہاں تک کہ درندے اپنے بچوں کو منہ میں اٹھا کر جاتے

نظر آئے۔ ابن نافع نے شہر کی خط کشی کی۔ مکانوں اور مسجد جامع کی تعمیر ہوئی اور ایک پررونق آبادی کھڑی ہو گئی[1] قیروان افریقیہ کا صدر مقام تھا۔

۲۔ زراعتی ترقی :۔ حضرت معاویہؓ نے زراعت کو فروغ دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ فتوح البلدان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عراق میں بیس سے زائد نہریں کھدوائیں اسی طرح باقی علاقوں کی طرف توجہ دی۔ یہاں تک کہ کرمان کے پہاڑی علاقہ میں کاریزیں (زیر زمین نہریں) تیار کروائیں[2] اور بخارا کے کوہستان میں ایک نہر کھدوائی[3]

۳۔ دینی خدمات :۔ حضرت معاویہؓ کو دینی شعار، آثار اور برکات سے گہری محبت تھی۔ آپ نے اس ضمن میں نہایت بیش قدر خدمات انجام دیں مثلاً :۔

حضرت معاویہؓ نے بے شمار مساجد تعمیر کرائیں۔ آپ ہی کے عہد میں میناروں کا رواج ہوا[4]۔

حرم مکہ کی علامات مٹ رہی تھیں۔ حضرت معاویہؓ نے نئی علامات نصب کرائیں[5]

آپ نے حضرت خدیجہؓ کا مکان خرید کر اسے مسجد کے طور سے وقف کیا[6]

کعبؓ بن زہیر ایک قصیدہ گو شاعر کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر عطا فرمائی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے دس ہزار درہم میں خریدنا

---

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ بلاذری ص ۲۲۸ [2] بلاذری ص ۴۰۲
[3] تاریخ اسلام شاہ معین الدین۔ [4] تاریخ اسلام شاہ معین الدین [5] بلاذری ص ۵۴ [6] ابن اثیر۔

چاہی لیکن کعبؓ نے انکار کیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے یہ چادر اُن کے وُرثاء سے بیس ہزار درہم میں خرید کر محفوظ کر لی۔ خلفاء اس چادر کو عید کے موقع پر پہنتے تھے (سیرت رسولِ عربی از نور محمد توکلی)

تاریخی نقطۂ نگاہ سے ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کعبہ کو ریشم کا غلاف پہنایا[1]

۴۔ علمی خدمات:۔ حضرتِ معاویہؓ علم دوست اور علم پرور تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں بطور کاتب کام کیا تھا۔ حضرتِ معاویہؓ کو علم کی ترویج و توسیع کی بہت لگن تھی۔ آپ کو کتابوں سے بہت شوق تھا۔ آپ نے علم کے جواہر پارے اکٹھے کیے اور شاہی کتب خانہ قائم کیا[2]

حضرتِ معاویہؓ کے عہد میں یمن کا ایک باشندہ عُبَید بن شُریہ تاریخ قدیم سے بہت آگاہی رکھتا تھا۔ آپ نے اسے بلا کر اُس سے قدیم تاریخ سنی اور حکم دیا کہ اس تاریخ کو عُبَید کے نام سے کتاب کی صورت میں قلمبند کر لیا جائے[3]

حضرتِ معاویہؓ کا ایک طبیب ابن آثال (یا ابن اوثال) نام تھا۔ اس نے آپ کے استفادہ کے لئے طب کی بعض کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا[4]

حضرتِ معاویہؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ سے بہت شیفتگی تھی۔ آپ نے اس کی حفاظت اور اشاعت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

---

[1] جنتبیہ لی [2] رسائل شبلی [3] کتاب الفہرست [4] رسائل شبلی

یزید بن معاویہ

۶۰ تا ۶۴ ہجری

ابتدائی حالات

یزید ۲۶ ہجری میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں میسون بنو کلب کے قبیلہ سے تھی۔ وہ صحرائی دنیا میں پلی تھی۔ اس لئے شہروں کی رونق پر دیہات کی سادگی اور صفائی کو ترجیح دیتی تھی۔ اکثر صحرا میں آکر دن گزارتی تھی۔ یزید پر بھی میسون کی طبیعت کا گہرا عکس پڑا۔ یزید کو صحراؤں کی فضا سے رغبت پیدا ہو گئی۔ اکثر یہیں آکر دل بہلاتا تھا۔ یہیں اس کا سیر و شکار اور خوش وقتی کا میلان پروان چڑھا۔

تکمیلِ بیعت کی کوشش

خلافت کی زمام سنبھالنے کے بعد یزید کی پہلی فکر یہ

تھی کہ حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت حاصل کی جائے۔ ان دنوں مدینہ کا والی ولید بن عتبہ بن ابو سفیان تھا۔ یزید نے اسے حکم بھیجا کہ ان اصحاب سے بلا تاخیر بیعت حاصل کرو۔ مدافعت کا زیادہ کھٹکا حضرت حسینؓ اور ابن عمرؓ سے تھا۔ ولید نے ان دو اصحاب کو بلا بھیجا۔ حضرت حسینؓ نے ولید کے پاس جا کر فرمایا کہ میری طرح کا آدمی پوشیدہ بیعت نہیں کرتا۔ جب سب لوگ بیعت کریں گے تو دیکھا جائے گا۔ ولید مان گیا۔ رہے عبداللہ بن زبیرؓ تو وہ ولید کا بلاوا ٹال گئے اور راتوں رات مدینہ سے نکل کر مکہ کی راہ لی۔ ولید نے تعاقب میں آدمی دوڑائے لیکن بے سود[1]

حضرت حسین علیہ السلام

حضرت حسین علیہ السلام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند تھے۔ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھے۔ آپ ہجرت کے چوتھے برس مدینہ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے بڑے بھائی حضرت حسن علیہ السلام سے عمر میں تقریباً ایک برس چھوٹے تھے۔

حضرت حسینؓ گلستانِ نبوت کا سرخ پھول تھے۔ آپ صورت اور سیرت ہر دو لحاظ سے اپنے نانا کے بہت مشابہ تھے۔ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بے کنار محبت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ حسین میرا ہے اور میں حسینؓ کا ہوں۔ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک دو

---

[1] ابن اثیر۔

چاند مسجد میں نظر آئے ۔ یہ حسنؓ اور حسینؓ تھے ۔ سُرخ لباس زیبِ بدن تھا ۔ چلتے تھے تو کم سِنی سے لڑکھڑا جاتے تھے ۔ نانا کی محبت نے جوش مارا ۔ آپ نے خطبہ ملتوی فرمایا ، منبر سے اُتر ے اور دونوں نواسوں کو گود میں اٹھا لیا ۔ بارہا ایسا ہوتا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جاتے تو حسینؓ پشتِ مبارک پر بیٹھ جاتے ۔ حضور سجدہ سے اُٹھنا چاہتے تو اُنہیں آہستہ سے اُتار دیتے ۔ نماز سے فارغ ہو کر اُنہیں گود میں بٹھا لیتے ۔

حضرتِ حسینؓ کا بچپن جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ لطف و تربیت میں گزرا ۔ آپ سات برس کے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ۔ چھ ماہ اور گزرے تھے کہ والدۂ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی جنت کا سفر کیا ۔ شفیق باپ نے پرورش سنبھالی عمر کے ساتھ ساتھ طبیعت کا جوہر روشن سے روشن تر ہوتا گیا ۔ بلوغ کی منزل میں قدم رکھا تو حسینؓ علمی اور روحانی دونوں لحاظ سے انسانیت کے کمال پر تھے ۔

حضرتِ حسینؓ نے دین اور ملت کی راہ میں وقتاً فوقتاً بے مثال کارنامے انجام دیئے ۔ آپ اپنے والدِ ماجد حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ اور اپنے بھائی حضرتِ حسن علیہ السلام کے دستِ راست رہے ۔ حضرتِ حسنؓ نے حضرتِ معاویہؓ سے صلح کر لی تو آپ مدینہ میں مقیم ہو گئے اور اسلام کی خدمت میں مصروف رہے

حضرتِ حسینؓ کے دل میں حق کی غیرت اور حمایت کا بے کراں جذبہ تھا ۔ آپ اصول کی آن پر آنچ نہیں آنے دیتے تھے ۔ حضرتِ معاویہؓ نے جب یزید کے لئے بیعت لینا چاہی تو آپ نے انکار فرما دیا حضرتِ معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید نے بیعت کی تکمیل کرنا چاہی تو آپ

نے اس کے آگے سر جھکانا قبول نہ کیا اور اُصول کی خاطر بجلیوں سے کھیلنے پر آمادہ ہو گئے۔ ولید حاکمِ مدینہ نے یزید کی بیعت کے لئے بلایا۔ لیکن آپ حکومت کے رعب میں نہ آئے۔

حضرتِ حسینؓ کی مدینہ سے روانگی

جس رات ولید نے حضرتِ حسین علیہ السلام کو بیعت کے لئے بلایا تھا اس سے اگلی شب حضرتِ حسینؓ نے سوائے محمد بن حنفیہؒ کے اپنے کنبہ کے سب افراد کو ہمراہ لیا اور عازمِ مکہ ہو گئے[1]۔

کوفیوں کی مراسلت

حضرتِ حسینؓ مکہ میں وارد ہوئے تو کوفہ سے ایلچی آنے لگے۔ دو ایلچی سلیمان بن صُرد وغیرہ کی طرف سے تھے۔ ایک اور تا صد کوفہ والوں کے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط لے کر آیا جن میں تحریر تھا کہ اگر آپ کوفہ تشریف لائیں تو ہم آپ کے زیرِ علم اکٹھے ہو جائیں گے۔

حضرتِ حسینؓ نے جواب میں لکھا کہ میں اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں وہ تمہارے میلانات اور خیالات سے مجھے مطلع کریں گے۔ اگر تمہارے خطوط کی تصدیق ہو گئی تو میں کوفہ آ جاؤں گا[2]۔

مسلم بن عقیل کوفہ میں

حضرت مسلم بن عقیل مکہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ ہوتے ہوئے کوفہ پہنچے۔ کوفہ کے لوگوں نے آپ کے پاس حاضر ہو کر بہت ارادت

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر

اور سپردگی کا اظہار کیا۔ اٹھارہ ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر حضرتِ حسینؓ کی بیعت کی۔ مسلم بن عقیل نے یہ حالات دیکھ کر حضرتِ حسینؓ کو کوفہ میں تشریف لانے کو لکھا[1]

کوفہ کا والی ان دنوں نعمان بن بشیر تھا۔ وہ بہت نیک دل اور نرم مزاج تھا۔ اس نے حضرتِ مسلم بن عقیل کی سرگرمیوں کے خلاف کوئی[2] قدم نہ اٹھایا۔ یزید کو اطلاع ملی تو نعمان کی جگہ زیاد کے بیٹے عبداللہ[3] کو فرمانِ امارت بھیجا[4] اور حکم دیا کہ مسلم بن عقیل کو شہر سے نکال دو یا قتل کر دو[5]۔

عبیداللہ بن زیاد

عبیداللہ صرف سترہ سواروں کے ساتھ کوفہ آیا[6] منہ لپیٹے ہوئے تھا وہ شہر میں جہاں جہاں سے گزرا لوگوں نے حضرتِ حسینؓ سمجھ کر خوش آمدید کہا[5]

عبیداللہ نے زمامِ کار سنبھالنے کے بعد عوام کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں مخالفین کے خلاف شدید کارروائی کی دھمکی دی اور کہا کہ جس عریف (نمبردار) کے علاقہ میں بغاوت کے آثار نظر آئے اسے دار پر کھینچ دیا جائے گا[7]

مسلم بن عقیل ان دنوں مختار کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے ان کو ان حالات کا علم ہوا تو مختار کے گھر سے نکل کر ہانی کے مکان میں آ گئے اور یہیں مرکز قائم کر لیا[8]

عبیداللہ نے جاسوسوں کے ذریعے مسلم بن عقیل کی قیام گاہ کے احوال کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں۔ ہانی کو حیلہ سے اپنے پاس

---

[1] ابن کثیر [2] ابن کثیر [3] ابن اثیر [4] ابن کثیر [5] ابن اثیر [6] ابن اثیر [7] ابن اثیر [8] ابن اثیر۔

بلایا اور مطالبہ کیا کہ مسلم کو میرے حوالے کر دو۔ ہانی نے انکار کیا تو اتنا مارا کہ زخمی کر دیا پھر قید میں ڈال دیا[1]

مسلم بن عقیل کی شہادت

مسلم کو اطلاع ہوئی تو اپنے پیروؤں کو مقابلہ پر اٹھنے کا حکم دیا۔ آپ کثیر ہجوم کے ساتھ دار الامارت کی طرف آئے اور اسے گھیرے میں لے لیا۔ ابن زیاد نے قصر کے دروازے بند کر لیئے۔ اس کے ساتھ پولیس کے صرف ۳۰ آدمی اور چند اشرافِ قبائل تھے اس نے ان رؤسا سے کہا اپنے اپنے قبیلہ والوں کو ڈرا دھمکا کر واپس کر دو۔ انہوں نے اہل قبیلہ کو خوف زدہ کر کے پھیر دیا۔ حضرتِ مسلم کا سارا مجمع چھٹ گیا۔ آپ کے ساتھ صرف ۳۰ آدمی رہ گئے[2]

حضرتِ مسلم ان تیس آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس ہوئے اور بوکندہ کے محلہ کی طرف چلے راہ میں یہ تیس آدمی بھی ساتھ چھوڑ گئے اور آپ تنہا رہ گئے۔ کوئی رستہ بتانے والا بھی نہ تھا۔ ایک بوڑھی عورت نے ترس کھا کر گھر میں پناہ دی۔ اس کے بیٹے کو علم ہوا تو راز فاش کر دیا۔ عبید اللہ کے ستر آدمی ان کو گرفتار کرنے آئے۔ مسلم نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ زخم کھائے اور ہمت نہ ہاری۔ محمد بن اشعث نے جو گرفتاری کے لئے آیا تھا امان کا وعدہ دے کر گرفتار کیا۔ وہ آپ کو لے کر ابن زیاد کی طرف چلا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اور کہا کہ مجھے حسینؓ کا خیال آ رہا ہے۔ وہ مکہ سے چل نکلے ہونگے۔ مسلم نے محمد بن الاشعث سے کہا کہ حضرتِ حسینؓ کو میرے حالات سے مطلع کر دو اور میری طرف سے پیغام بھیجو کہ واپس چلے جائیں۔ محمد بن اشعث نے اس مضمون کا

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر۔

ایک خط لکھ کر قاصد روانہ کر دیا[1]

ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی امان کا پاس نہ کیا۔ قصر کی بلندی سے حضرتِ مسلم کا سر کٹوا کر گروایا اور پھر جثہ بھی لڑھکا دیا۔ اس کے بعد ہانی کو قید خانہ سے نکلوایا اور سر بازار گردن کٹوا دی[2]

حضرتِ حسینؓ کا مکہ سے سفر

حضرتِ حسینؓ مکہ میں چار ماہ سے مقیم تھے۔ مسلم بن عقیل نے آپ کو تشریف آوری کے لیے عرضداشت لکھی تو آپ نے رختِ سفر باندھا۔ ہوا خواہوں نے روکنا چاہا۔ حضرتِ عبد اللہؓ بن عباس نے کہا کہ اگر کوفہ والوں نے یزید کے والی کو نکال دیا ہے تو آپ خوشی سے جائیے ورنہ یہی لوگ آپ کے خلاف اٹھیں گے اگر آپ کو مکہ سے سفر کرنا ہی ہے تو یمن تشریف لے جائیے۔ وہاں قلعوں اور گھاٹیوں کی کثرت ہے اور آپ کے والد ماجد کے عقیدت مندوں کی وافر تعداد ہے۔ آپ نے فرمایا، میں عزم کر چکا ہوں، ابن عباسؓ نے کہا کہ اگر جانا ہی ہے تو اہل و عیال کو ساتھ نہ لیجئے میں حلفیہ کہتا ہوں کہ آپ کو حضرتِ عثمانؓ کی طرح گھر والوں کی آنکھوں کے سامنے شہیدؓ کیا جائے گا[3]

آپ نے ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے کوچ کیا۔ آپ کے ساتھ ۷۲ افراد تھے۔ مکہ کے والی نے چند آدمی بھیج کر روکنے کی کوشش کی۔ دونوں طرف سے تلواریں بے نیام ہوئیں۔ لیکن حضرتِ حسینؓ کا رستہ کوئی نہ روک سکا[4]

---

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر [2] ابن اثیر [3] ابن اثیر [4] ابن کثیر
[5] ابن اثیر۔

حضرت حسین علیہ السلام نے مکہ سے کچھ سفر کیا تھا کہ فرزدق شاعر ملا۔ وہ کوفہ سے آرہا تھا۔ حضرت حسینؓ نے پوچھا، کوفہ والوں کی کیا خبریں ہیں؟ فرزدق بولا، ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنوامیہ کے ہمراہ۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا، سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ ہمیں ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے[1]
رستہ میں مکہ سے ایک چھٹی عبداللہ بن جعفر کی ملی جس میں انہوں نے آپ کو واپس آنے کی درخواست کی تھی ایک اور خط والیِ مکہ کا آیا جو عبداللہ بن جعفر نے لکھوایا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ آپ واپس تشریف لائیے میں آپ کو امان دیتا ہوں۔ آپ نے بازگشت سے انکار کر دیا[2]

ابنِ زیاد کو حضرتِ حسینؓ کی روانگی کا علم ہوا تو عراق و عرب کی سرحد پر قادسیہ کے آس پاس فوجیں پھیلادیں۔ حضرتِ حسینؓ نے رستہ میں ایک قاصد کو کوفہ والوں کے نام خط دے کر روانہ کیا۔ اسے قادسیہ کی فوج نے گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابن زیاد نے اسے مروا ڈالا۔ ثعلبیہ کے مقام پر حضرتِ حسینؓ کو مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی آپ کے بعض ہمراہیوں نے مشورہ دیا کہ واپس پھریں کیونکہ کوفہ میں آپ کا ایک بھی یاور نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں خدشہ ہے کہ وہ آپ کے خلاف اٹھیں گے۔ بنو عقیل بھڑک کر بولے، واللہ، جب تک ہم انتقام نہ لیں یا عقیل کی طرح موت کا ذائقہ نہ چکھ لیں، دم نہیں لیں گے۔ حضرتِ حسینؓ نے فرمایا، ان کے بعد زندگی کا مزہ نہیں[3]

رستہ میں آپ جن جن آبادیوں کے پاس سے گزرے وہاں کے بدو آپ کے شامل ہوتے گئے۔ جب آپ کو حضرتِ مسلم اور اپنے ایک

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر [3] ابن اثیر

اور قاصد کے سفاکانہ قتل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ساتھیوں سے خطاب کیا کہ کوفہ والوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ تم سے بھی جو آدمی جانا چاہے آزاد ہے۔ بدو دائیں بائیں کھسک گئے اور آپ کے ہمراہ وہی افراد باقی رہے جو مکہ سے روانہ ہوئے تھے[1]

شراف سے آگے نکلے تو حر بن یزید تمیمی ایک ہزار کے دستہ کے ساتھ سامنے سے نمودار ہوا۔ وہ قادسیہ کی شاہی فوج سے آیا تھا۔ یہاں آکر اپنے لشکر کے ساتھ حسینی قافلہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا ظہر کی اذان کے بعد حضرت حسینؓ نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ میں تمہاری طرف خود نہیں آیا۔ تمہارے خطوط اور قاصدوں کے جواب میں آیا تھا۔ اب اگر تم لوگ مجھے نہیں چاہتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ نے نماز پڑھائی۔ دوست دشمن سب آپ کے پیچھے صف بستہ ہوئے۔ عصر کی نماز کے بعد آپ نے کوفہ والوں کے سامنے تقریر کی کہ ہم اہل بیت ان جھوٹے دعویداروں کے مقابلہ میں حکومت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اب اگر تمہاری رائے بدل گئی ہے اور تم اپنے خطوط اور قاصدوں کے پیغاموں سے مڑ گئے ہو تو میں لوٹ جاتا ہوں۔ حر نے کہا، واللہ! ہم نہیں جانتے آپ کن قاصدوں اور خطوط کا ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت حسینؓ نے ان کے سامنے خطوط کے دو بنڈل پھیلا دیئے۔ حر بولا، ہم نے یہ چٹھیاں نہیں لکھیں۔ ہمیں تو حکم ملا ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ چلیں تاآنکہ آپ کو کوفہ میں ابن زیاد کے سامنے پہنچا دیں۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ تمہارے اس مقصد سے موت تمہارے قریب تر ہے۔ حضرت حسینؓ نے ساتھیوں کو کہا کہ

---

[1] ابن اثیر

کا حکم دیا - حُرؓ مانع آیا - اور کہا کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو کوفہ لے کر جاؤں مجھے آپ سے لڑنے کی فرمائش نہیں - آپ مدینہ اور کوفہ کے مابین کوئی رستہ اختیار کریں - میں ابن زیاد کو خط لکھتا ہوں - آپ بھی یزید یا ابن زیاد کو لکھیں - ممکن ہے اللہ تعالیٰ عافیت کی راہ نکالے - اور میں اس آزمائش سے بچ جاؤں - حضرت حسینؓ نے قادسیہ کا رستہ چھوڑ دیا - حُر آپ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا -

عذیب الہجانات[1] کے مقام پر آپ کو اپنے دوسرے قاصد کی موت کی خبر آئی آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے - قبیلہ طے کے ایک رئیس طرماح نے عرض کیا ، آپ ہمارے علاقہ میں تشریف لے جائیں - میرا قبیلہ بنو طے آپ کی حفاظت میں سینہ سپر ہو گا - آپ نے وہاں جانے سے معذوری ظاہر کی[2]

نینویٰ کے مقام پر حُرؓ کے پاس ابن زیاد کا قاصد یہ پروانہ لے کر آیا کہ حضرت حسینؓ کے قافلہ کو ایسی جگہ اتارو جہاں نہ قلعہ ہو اور نہ پانی - آپ کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ حُرؓ کے ساتھ جنگ کی جائے - آپ نے فرمایا میں پہل نہیں کروں گا[3]

کربلا

حضرت حسینؓ ۲ محرم ۶۱ ہجری کو کربلا کے میدان میں اترے - یہ جمعرات کا دن تھا -

ابن زیاد نے سعدؓ بن ابی وقاص کے بیٹے عمر کو چار ہزار فوج کے ساتھ حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر بھیجا - یہ تین محرم کو آیا - حضرت حسینؓ نے اس سے کہا کہ کوفہ کے لوگوں نے ہمیں بلایا تھا - اگر وہ ہمیں پسند نہیں کرتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں - عمر نے ابن زیاد کو اطلاع

---

[1] ابن اثیر - [2] ابن کثیر [3] ابن اثیر -

کی - اس نے جواب دیا کہ حضرت حسینؓ سے یزید کی بیعت لو - اور ان پر دریا کا پانی بند کر دو - چنانچہ یزیدی فوج کے پانچ سو آدمی گھاٹ پر مامور کر دیئے گئے - یہ شہادتِ حسینؓ سے تین روز پہلے کا واقعہ ہے -

حضرتِ حسینؓ کے قافلہ میں پیاس کی شدت ہوئی تو آپ نے پچاس آدمی پانی لانے کو بھیجے - بیس پیدل تھے جو مشکیں اٹھائے ہوئے تھے اور تیس سوار تھے - انہوں نے لڑ بھڑ کر مشکیں بھر لیں لیے

حضرتِ حسینؓ کی عمر بن سعد سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں - حضرتِ حسینؓ نے فرمایا کہ مجھے یا واپس جانے کی اجازت دو یا اپنے حال پر چھوڑ دو کہ جہاں چاہوں چلا جاؤں اور دیکھوں کہ مستقبل کیا دکھاتا ہے - عمر نے ابن زیاد کو ان شرائط سے آگاہ کیا - ابن زیاد تسلیم کرلے کو تیار تھا لیکن شمر بن ذی الجوشن نے کہا کہ اگر آج حسینؓ تمہارے ہاتھوں سے نکل گئے تو یہ تمہاری زبردست کمزوری ہوگی ان کے ساتھ اس بات پر تصفیہ کرو کہ وہ اپنے کو تمہارے سپرد کردیں اور تم جو فیصلہ چاہو کرو - ابن زیاد مان گیا اور شمر کے ہاتھ عمر کے نام یہ حکم بھیجا کہ حسینؓ کی اطاعت حاصل کرو ورنہ جنگ کر کے انہیں قتل کرو اور ان کی لاش پر گھوڑے دوڑاؤ - اگر تمہیں اس کی تعمیل سے انکار ہے تو کمان شمر کے حوالے کر دو -

محرم کی نویں تاریخ کو عمر بن سعد لشکر لے کر بڑھا - حضرتِ حسینؓ نے کہلا بھیجا کہ جنگ کل پر ملتوی کرو - ہم آج رات اللہ کی عبادت

لے ابن اثیر

کر لیں۔ عمر سعد نے مان لیا۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ نے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا کہ تم لوگ رات کے وقت چل دو۔ تمہیں میری طرف سے آزادی ہے۔ یہ لوگ مجھ سے غرض رکھتے ہیں تمہاری پروا نہیں کریں گے آپ کے اہل بیت نے کہا، ہم ایسا نہیں کریں گے[1]۔

اہل بیت نے تمام رات عبادت میں بسر کی۔ صبح ہوئی تو حضرت حسینؓ نے نماز کے بعد صف بندی کی۔ آپ کے ساتھ تبیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ مستورات کے خیمے لشکر کی پشت پر تھے اس خیال سے کہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر دے رات کو خیموں کے پیچھے کچھ جگہ کھود لی گئی تھی۔ اس میں ایندھن ڈال کر آگ جلا دی[2]۔

دشمن کا لشکر سامنے آیا تو حضرت حسینؓ نے اس کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ کوفیوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ البتہ حر بن یزید نے گھوڑے کو ایڑ کی اور آپ کے لشکر میں آ ملا۔ اس کے تیس سوار بھی شریک ہو گئے۔

عمر بن سعد آگے بڑھا اور لشکر حسین پر تیر پھینک کر بولا، گواہ رہو کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔ اس کے بعد کوفیوں نے کچھ دیر تیر اندازی کی اور ہنگامۂ کارزار گرم ہوا۔ ایک طرف گنتی کے فدا کار تھے اور دوسری طرف چار ہزار فوج۔ حضرت حسینؓ کے رفقاء بجلی کی ادا سے جھپٹتے تھے۔ جدھر رخ کرتے دشمن کی فوج سمٹ سمٹ جاتی۔ دشمن نے تیروں کی بارش کر دی۔ اہل بیت کے سب گھوڑے بے کار ہو گئے اور وہ پیدل ہو کر لڑنے لگے۔ ظہر کا وقت آ گیا۔ دشمن نے توقف نہ کیا اور لشکر حسینؓ نے صلوٰۃ الخوف ادا کی۔ اس کے بعد جنگ کے شعلے تیز تر ہو گئے

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر [3] ابن اثیر۔ ابن کثیر۔

لشکرِ حسینؓ نے بہادری اور بے خوفی کی بے نظیر مثالیں قائم کیں۔ زہیر بن القین نے ۱۲ آدمی قتل کیے جو زخمی کیے وہ الگ۔[1]

حضرت حسینؓ کے جاں نثار ایک ایک کر کے آپ کی حفاظت میں فدا ہو گئے۔ اب اہلِ بیت کی باری آئی۔ سب سے پہلے علی اکبر نے شہادت پائی۔[2]

اس کے بعد سادات کے دیگر نوجوانوں نے دلاوری اور سرفروشی کا عدیم المثال مظاہرہ کر کے جان دی۔

حضرت حسین میدانِ جنگ میں تنہا رہ گئے۔ آپ نے اکیلی جان سے کوفی لشکر کا مقابلہ کیا۔ زخم پر زخم آنے لگے۔ آپ نے اپنے کمسن بھتیجے عبداللہ کو بلا کر گود میں بٹھایا۔ ایک تیر آیا اور حضرت عبداللہ کی جان لے گیا۔ پھر ایک خورد سال بچہ لکڑی کا ڈنڈا لے کر خیمہ سے نکلا۔ ایک ظالم نے اسے قتل کر دیا۔[3]

حضرت حسینؓ کو پیاس نے ستایا تو فرات کی طرف رُخ کیا۔ ایک تیر آ کر آپ کے چہرے میں لگا اور خون بہنے لگا۔ آپ چلّو خون سے بھر کر آسمان کی طرف اچھالتے اور کہتے "اے اللہ میرا شکوہ تجھی سے ہے"۔ اعداء نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ کا ایک کمسن بھتیجا آپ کے پاس آ کھڑا ہوا۔ ایک شخص نے آپ پر تلوار چلائی۔ آپ کے بھتیجے نے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹا اور جلد سے لٹک کر رہ گیا۔ بچہ چلّایا۔ حضرت حسینؓ نے اسے گلے لگا لیا۔ حضرت حسین تلوار لے کر جس طرف بڑھتے حملہ آور بھاگ جاتے تھے۔ آپ پیدل تھے۔ لیکن شہسواروں کی شان سے لڑ رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ اور شانہ پر تلوار پڑی...

---

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر [2] ابن کثیر [3] ابن اثیر

نے نیزہ کا وار کیا اور آپ گر پڑے - ایک ظالم نے آپ کا سر کاٹ لیا - آپ کا اسلحہ اور لباس لوٹ لیا گیا - اس کے بعد ظالموں نے خیموں میں لوٹ مچائی - حضرت حسینؓ کے بیٹے حضرت علیؓ خیمہ میں بیمار پڑے تھے - شمر نے انہیں بھی قتل کرنا چاہا لیکن ایک شخص کے منع کرنے پر باز آیا - عمر سعد نے آکر لوگوں کو خیموں میں داخل ہونے سے روکا - اس کے بعد اس نے دس آدمیوں کو حکم دیا کہ حضرت حسینؓ کی نعش کو گھوڑوں سے پامال کریں[1]

شہداء کے سروں کو ابن زیاد کے پاس لے گئے - مستورات کو بھی کوفہ پہنچایا اور انہیں ابن زیاد کے سامنے پیش کیا - ابن زیاد نے انہیں دمشق یزید کے پاس بھیجا -

اہل بیت وہاں چند روز رہے - اس کے بعد مدینہ تشریف لے آئے[2]

واقعۂ کربلا کے نتائج

دنیا میں بہت کم واقعات ایسے ہوئے ہیں جن کے نتائج حادثۂ کربلا سے دور رس ہوں - بنو امیہ کی سیاست پر کاری ضرب پڑی اور ان کی قدر و منزلت گھٹ گئی - اموی خاندان کو اتفاق سے بعض نہایت مدبر بادشاہ ملے - جنہوں نے حیلہ و حربہ سے حکومت کی گاڑی کو چلائے رکھا - لیکن خلیفہ کے لئے عوام کے دل میں جو احترام ہونا چاہیئے وہ بنو امیہ کے لئے پیدا نہ ہو سکا - سوائے اہل شام اور بنو امیہ کے دیگر نمک خواروں کے عوام کی وفاداریاں متزلزل ہو گئیں - ولید نے نصف دنیا کو فتح کیا لیکن آج عوام میں کتنے

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر -

لوگ اسے جانتے ہیں؟ اس کے برعکس اہل بیت کا احترام ہزار چند ہوا۔ انہی کے نام سے بالآخر چپکے چپکے ایک ایسی تحریک اٹھی جس نے اموی سلطنت کا بیخ کنی کر دی۔

الغرض دس محرم ۶۱ ہجری کو اموی اقبال نے جو ٹھوکر کھائی اس سے سنبھلنا نصیب نہ ہوا۔

۲۔ ائمۂ اہل بیت سیاست سے دل برداشتہ ہو کر یک سو ہو گئے۔ انہوں نے ساری توجہ تعلیم و تزکیہ پر مبذول کر دی اور ہمہ وقت اس کے لئے وقف ہو گئے۔ امام زین العابدین، محمد باقر اور امام جعفر صادق علم و ہدایت کے نور پاش مینار بن کر ابھرے۔ انہوں نے علم و فن اور فلسفہ و حکمت کی آب یاری کی اور علمی اور روحانی دنیا کو مالا مال کر دیا۔

۳۔ سانحۂ کربلا کے بعد اہل بیت کے ساتھ ملت کے ہر گروہ کی ہمدردیاں بڑھ گئیں بالخصوص شیعۂ اہل بیت کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔

۴۔ کربلا کے حادثہ کی یاد حق کے جویاؤں کو ایک تو یہ سبق سکھاتی ہے کہ ملوکیت اور مطلق العنانی کس کھیلے تو کیا گل کھلاتی ہے۔ اس لئے اسے پنپنے نہ دیا جائے اور دوسرا یہ کہ باطل کی چمک دمک اور سرو سامان سے گھبرانا درست نہیں۔ حق کے پرستار مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا ہے ان کی شخصیت نمایاں سے نمایاں تر ہوتی جاتی ہے۔

۵۔ حضرت امام حسینؓ نے چونکہ اہلِ اسلام کے ہر گروہ کے دلوں میں گھر کر لیا اس لئے آپ کی یاد شیعہ اور اہل السنت والجماعت کے درمیان اجنبیت کو گھٹاتی ہے۔

حجاز پر چڑھائی

مکہ اور مدینہ کے باشندوں نے یزید کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ یزید نے ان شہروں پر فوج روانہ کی۔

ا۔ جنگِ حرّہ :۔ حرّہ عربی میں آتش فشانی پتھروں کی زمین کو کہتے ہیں۔ مدینہ سے باہر حرّہ کا ایک وسیع میدان ہے۔ یہاں یزیدی فوج اور اہلِ مدینہ کے درمیان ۶۳ ہجری میں جنگ ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ واقعۂ کربلا کے بعد مدینہ والوں نے یزیدی گورنر سے عنانِ اختیار چھین لی اور اپنا حاکم مقرر کیا۔ بنو امیہ کے جس قدر افراد مدینہ میں تھے انہیں محصور کر لیا۔ انہوں نے یزید کو اطلاع بھیج دی۔

اہلِ بیت اور عبداللہ بن عمرؓ کا گھرانہ اس انقلاب سے بے تعلق رہا[1]۔

یزید نے ایک عمر رسیدہ، سنگدل اور اخلاق سوختہ شخص مسلم بن عقبہ مُرّی کو دس پندرہ ہزار فوج کے ہمراہ مدینہ پر چڑھائی کے لئے بھیجا اور حکم دیا کہ "تین روز صلح کی دعوت دینا۔ اگر مدینہ والے نہ مانیں تو جنگ کرنا۔ فتحیاب ہو کر مدینہ کو تین روز تک مباح کر دینا۔ شہر میں جس قدر مال، مویشی، اسلحہ اور غلہ ہے۔ وہ تمہارے لشکر کا حق ہوگا"۔

مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے باہر شرقی جانب حرّہ کے میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ اہلِ شہر کو تین روز کی مہلت دی۔ چوتھے روز جنگ چھڑ گئی۔ بہت خونریز معرکہ ہوا۔ مدینہ والوں نے پہلے دھلہ میں

---

[1] دیکھئے ابن اثیر۔ ابن کثیر

دشمن کا رُخ پھیر دیا لیکن مسلم بن عقبہ کی ثابت قدمی نے جنگ کا نقشہ بدل ڈالا - اہل شہر شکست کھا کر بھاگ گئے - مسلم نے اعلان کیا کہ مدینہ تین روز مباح رہے گا - شامیوں نے حرم میں خوب لوٹ مار کی اور جن لوگوں نے یزید کی بیعت سے انکار کیا انہیں نذر شمشیر کر دیا[1]

۳ - مکہ پر حملہ (۶۴ ھ) مسلم بن عقبہ مدینہ سے فارغ ہو کر مکہ کی طرف راہی ہوا - یہ گوسٹ مریض رستہ میں تمام ہوا اور حصین بن نمیر نے کمان سنبھالی[2]

مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ اپنا مرکز قائم کیے ہوئے تھے - آپ حادثہ کربلا کے بعد خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے اور حجاز والوں سے بیعت لینے میں کامیاب ہو گئے تھے - آپ کے پاس خاصی جمعیت تھی - مدینہ کے بعض شکست خوردہ اصحاب بھی آپ کے گرد جمع ہو گئے - کعبہ کی حفاظت کی خاطر خوارج کی ایک جماعت نے بھی ساتھ دیا[3]

ابن زبیرؓ کے لشکر اور یزیدی فوج کے درمیان ۶۴ ہجری کے اوائل میں جنگ چھڑی - صفر کا مہینہ گزر گیا - ربیع الاول آیا اور جنگ جاری رہی - ابن زبیرؓ بالآخر حرم میں محصور ہو کر بیٹھ رہے - یزیدی فوج نے ۳ ربیع الاول سے منجنیقوں کے ذریعے پتھروں اور آگ کی بارش شروع کی - اس اثناء میں کعبہ کے پردہ کو آگ لگ گئی - مشہور یہ ہے کہ حملہ آوروں کی آتش باری سے یہ حادثہ پیش آیا لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ محصورین کی اپنی غلطی سے شرارہ اڑا جس سے

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر [3] ابن اثیر - ابن کثیر -

کعبہ کے پردوں اور لکڑی نے آگ پکڑ لی [1]

مکہ کا محاصرہ جاری تھا کہ یزید کی وفات کی خبر آئی۔ حصین بن نمیر نے لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور ابن زبیرؓ سے ملاقات کی درخواست کی۔ دونوں رات کے وقت ملے۔ حصین نے کہا کہ آپ سے بڑھ کر خلافت کا حق دار کوئی نہیں۔ آیئے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ شام چلیں کیونکہ میرے ساتھ جو لشکر ہے وہ شام کے چیدہ شاہسواروں پر مشتمل ہے۔ آپ وہاں گئے تو دو آدمی بھی اختلاف نہیں کریں گے۔ ہمارے آپ کے درمیان جو خون ریزی ہوئی ہے آپ اس سے درگزر کریں۔ ابن زبیرؓ نے کہا: خدا کی قسم میں یہ خون رائیگاں نہ جانے دوں گا اور جب تک ایک کے بدلے دس نہ ماروں گا راضی نہ ہوں گا۔ حصین آہستہ بول رہا تھا اور ابن زبیرؓ کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔ حصین نے کہا: میرا خیال تھا کہ آپ صاحب رائے ہیں۔ میں آپ سے خفیہ گفتگو کرتا ہوں اور آپ علانیہ اظہار کرتے ہیں۔ میں آپ کو خلافت کی دعوت دیتا ہوں اور آپ قتل و ہلاکت کے طالب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ دونوں جدا ہو گئے۔ حصین نے لشکر لے کر شام کی راہ لی۔ ابن زبیرؓ کو بعد میں ندامت ہوئی اور حصین کو کہلا بھیجا کہ میں شام نہیں جانا چاہتا۔ تم لوگ یہیں میری بیعت کر لو۔ حصین نے جواب دیا کہ جب تک آپ شام نہیں جائیں گے یہ کام تکمیل کو نہیں پہنچے گا کیونکہ وہاں بنو امیہ کا ایک گروہ ہے جو خلافت طلب کرے گا [2]

---

[1] ابن اثیر - ابن کثیر

[2] ابن اثیر

عقبہ بن نافع کی فتوحات

عقبہ بن نافع کو حضرت معاویہؓ نے افریقہ کی ولایت سے معزول کر دیا تھا۔ یزید نے انہیں بحال کیا۔

افریقہ کے بعض حصوں میں رومیوں کا بہت زور تھا۔ عقبہ نے ان کا تسلط ختم کرنے کی ٹھانی۔ آپ نے قسم کھائی تھی کہ ساری عمر کفار سے جہاد کروں گا۔ آپ عظیم لشکر لے کر اعداء کی حدود میں داخل ہوئے۔ رومیوں اور بربر نے اتحاد کیا اور بڑے بڑے اجتماع کر کے عقبہ کے سامنے آئے۔ لیکن ہر بار شکست کھائی۔ حضرت عقبہ طاقۂ زاب، باغایہ، طنجہ، سوس ادنیٰ اور سوس اقصیٰ سے ہوتے ہوئے بحر ظلمات (بحر ظلمات یا اوقیانوس) کی بندرگاہ مالیان میں پہنچے۔ یہاں سامنے سمندر تھا۔ اسے دیکھ کر اللہ کے حضور میں عرض کیا۔ اے خداوندا! اگر یہ بحر نہ ہوتا تو میں تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا۔[1]

حضرت عقبہ نے ساحل اوقیانوس سے قدم موڑے۔ بربر کا ایک مسلمان سردار کسیلہ بن کرم آپ سے عناد رکھتا تھا۔ آپ واپس آ رہے تھے کہ اس نے موقع دیکھ کر حملہ کر دیا۔ آپ کا لشکر بہت قلیل تھا تاہم آپ کو فرار کی راہ اختیار کرنا منظور نہ تھا۔ آپ نے شجاعت کا حق ادا کیا اور سب ہمراہیوں کے ساتھ شہادت کا جام پی گئے۔ اب کسیلہ کے لئے میدان خالی تھا۔ اس نے قیروان پر قبضہ جما لیا۔ وہ عبدالملک کے عہد تک یہاں قابض رہا۔[2]

---

[1] ابن اثیر۔

[2] ابن اثیر۔

یزید کی وفات

یزید نے ۱۴ ربیع الاوّل ۶۴ ہجری کو ۳۸ یا ۳۹ برس کی عمر میں قضا کی لہ

لہ ابن اثیر - ابن کثیر -

نقشہ ... میدان (۵) جہاد

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

معاویہ ثانی بن یزید

۶۴ھ
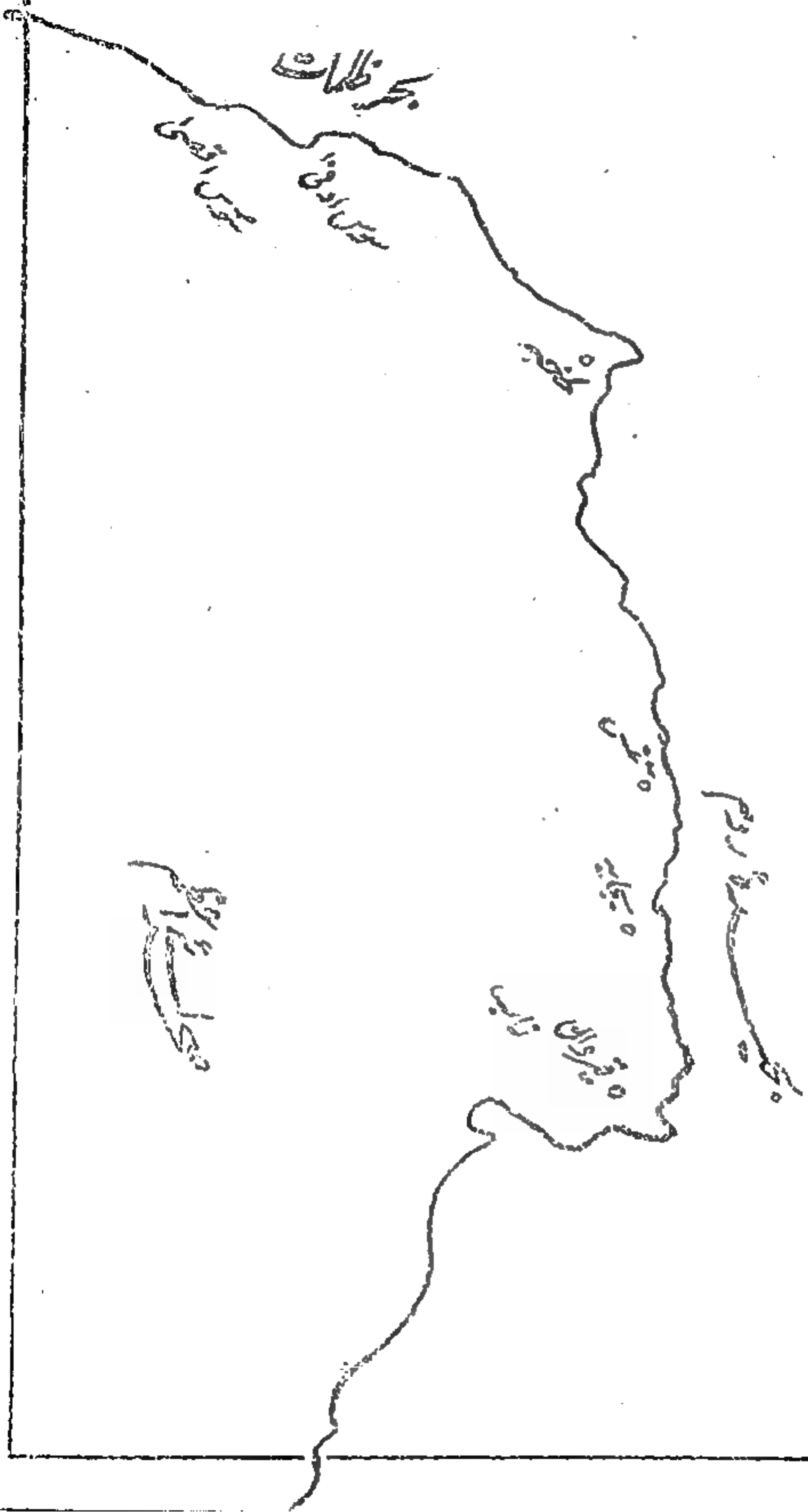
یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ تخت پر بیٹھا - وہ نہایت زاہد اور بے حرص تھا - جلد ہی حکومت سے اکتا گیا اور تین ماہ کے بعد دستبرداری کا اعلان کر دیا - بنو امیہ نے اس سے کہا کہ اپنا جانشین نامزد کر جائیے - اس نے جواب دیا، کیا تلخی میں اٹھاؤں اور شیرینی کے مزے بنو امیہ لیں؟ وہ چند روز بعد انتقال کر گیا[1] اس کی عمر اکیس برس کی تھی -

[1] ابن اثیر۔

مروان بن حکم

اور

عبداللہ بن زبیرؓ

۶۴ ہجری تا ۶۵ ہجری

معاویہ ثانی کی دست برداری کے بعد دنیائے اسلام کی نگاہوں میں عبداللہ بن زبیرؓ کی ہستی ہی شایانِ خلافت تھی۔ شام کے ایک حصہ کے سوا کل صوبوں میں آپ کی بیعت ہو گئی۔

عراق پر عبیداللہ بن زیاد نے قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ بصرہ والوں نے اس کی بیعت تو کر لی لیکن باہر نکل کر ہاتھ دیواروں پر رگڑ رگڑ کر (تاکہ بیعت ہاتھوں سے گھس جائے) کہنے لگے کہ کیا ابن مرجانہ (ابن زیاد) توقع رکھتا ہے کہ ہم ہر حال میں اس کی اطاعت کریں گے۔ ابن زیاد نے کوفہ والوں کو بھی بیعت کا پیغام بھیجا۔

انھوں نے انکار کیا ۔ اہلِ بصرہ کو علم ہوا تو کھل کر ابن زیاد کے مقابل ہو گئے ۔ ابن زیاد نے بھاگ کر شام میں پناہ لی لے

عبداللہ بن زبیرؓ

حضرتِ عبداللہ بن زبیرؓ ہجرت کے بعد مدینہ میں پیدا ہوئے تھے ۔ مدینہ میں مہاجرین کے ہاں آپ پہلے مولود تھے ۔ اس لئے آپ کی پیدائش پر بہت خوشیاں منائی گئیں ۔

عبداللہ بن زبیرؓ حضرتِ صفیہؓ کے پوتے تھے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں ۔

حضرت عبداللہ کے والد زبیرؓ نہایت جری شاہسوار تھے ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیرؓ کو اپنا حواری کہا تھا ۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرتِ اسماءؓ حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سفرِ ہجرت کے دوران جن دنوں غارِ ثور میں مقیم تھے حضرت اسماءؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا پہنچاتی تھیں ۔

حضرتِ عائشہؓ جناب ابن زبیرؓ کی خالہ تھیں ۔ حضرتِ عائشہؓ کی اولاد نہ تھی انھوں نے ابن زبیرؓ کو بیٹا کر رکھا تھا اور ان کے نام سے امِّ عبداللہ کہلاتی تھیں ۔

ابن زبیرؓ ہمت و شجاعت میں بچپن سے ممتاز تھے ۔ جنگِ جمل میں آپ حضرتِ عائشہؓ کی فوج میں تھے ۔ اس جنگ میں آپ گرفتار ہو گئے ۔ لیکن جناب امیرؓ نے رہا فرما دیا ۔

یزید کی ولی عہدی سے جن لوگوں نے انکار کیا تھا ان میں ایک آپ بھی تھے ۔ جناب امام حسینؓ نے کربلا میں شہادت پائی تو آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور مکّہ کو مرکز بنا کر بیٹھ گئے ۔ یزید نے عاید

لے ابن اثیر

کو مغلوب کرنے کے بعد آپ کے خلاف ایک مہم بھیجی لیکن اس کی ناگہانی موت سے یہ مہم ادھوری رہ گئی۔

یزید کی موت اور اس کے بیٹے معاویہ کی دست برداری کے بعد سوائے دمشق کے ضلع کے اور سب مملکت میں ابن زبیرؓ کی بیعت ہو گئی[1] دمشق میں بنو امیہ کا بہت زور دار اثر تھا۔ حالات نے مدد کی اور خلافت پر ان کے دوبارہ قابض ہونے کی راہ نکل آئی۔ تھوڑے ہی دنوں میں نہ صرف دمشق کے ضلع بلکہ سارے شام پر مروان بن حکم اُموی کا تسلط قائم ہو گیا۔

مروان بن حکم

مروان کا باپ حکم فتح مکہ کے دن اسلام لایا تھا۔ بعد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے مکہ شہر بدر کر کے طائف بھیج دیا۔ حضرتِ عثمانؓ کے عہد میں مروان کا ستارا چمکا۔ یہ حضرتِ عثمانؓ کا چچیرا بھائی تھا۔ انہوں نے اُسے اپنی بیٹی بیاہ دی۔ حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کے بعد اس نے حضرتِ علیؓ کے خلاف حضرت عائشہؓ کی حمایت کی۔ جنگ جمل میں گرفتار ہوا۔ حضرت علیؓ نے مراحم خسروانہ سے کام لیا اور آزاد کر کے جانے دیا۔ اس کے بعد یہ حضرتِ معاویہؓ کے حامیوں میں شامل ہو گیا۔ حضرتِ معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو مروان کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔ وہ اس عہدہ پر کئی برس فائز رہا۔

یزید کی وفات کے وقت مروان مدینہ میں تھا۔ ابن زبیرؓ نے حکم دیا کہ سب اُموی مدینہ سے نکل جائیں۔ مروان بھی ان کے ساتھ شام چلا گیا۔ اس کے ہمراہ اس کا بیٹا عبد الملک بھی تھا جو آگے

---

[1] ابن کثیر۔

چل کر خلیفہ ہوا۔ عبدالملک کی عمر اس وقت اٹھائیس برس تھی[1]

مؤتمر جابیہ (جابیہ کانفرنس)

حصین بن نمیر جب مکہ سے شام کو لوٹا تو اس نے مروان کو اپنی اور ابن زبیرؓ کی گفتگو سے مطلع کر کے رائے دی کہ بنو امیہ کو اپنا امیر منتخب کر لینا چاہیے ورنہ فتنہ کی تاریکی ہمیں گھیر لے گی۔ مروان عبداللہ بن زبیرؓ کی شخصیت سے مرعوب تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ ابن زبیرؓ کے پاس حاضر ہو کر بیعت کرے اور بنو امیہ کے لئے امان طلب کرے۔ مروان رستہ میں تھا کہ عبید اللہ بن زیاد سے ملاقات ہو ئی۔ ابن زیاد عراق سے بھاگ کر آیا تھا۔ مروان کو یہ کہہ کر پھیر لایا کہ تم بنو امیہ کے سرخیل اور ان کی آخری امید ہو۔ یہ شرم کی بات ہو گی کہ تم ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ میں تمہارے لئے راہ ہموار کروں گا[1]

شام کے لوگوں کا کسی ایک ہستی کی خلافت پر اتحاد نہیں تھا۔ بعض قبیلے بنو امیہ کے حق میں تھے اور بعض ابن زبیرؓ کے حق میں۔ اکثریت بنو امیہ کی طرفدار تھی۔

جابیہ کے مقام پر بنو امیہ کے حامیوں کی ایک مؤتمر (کانفرنس) کا انعقاد ہوا کہ خلیفہ کسے بنایا جائے۔ ان میں سے بعض افراد کے دلوں میں عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا خیال بھی گزر رہا تھا۔ لیکن وہ اپنے خیالات کو تجویز کی صورت میں پیش نہ کر سکے۔ مؤتمر کے سامنے مروان بن حکم اور خالد بن یزید کے نام تھے۔ بنو کلب کا قبیلہ خالد کی حمایت میں سرگرم تھا کیونکہ اس کی ماں اس قبیلہ سے

---

[1] ابن اثیر ذکر بیعت مروان[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر

تھی لیکن خالد کی کمسنی کی وجہ سے اس کا انتخاب مشکل تھا۔ ایک اور امیدوار عمرو بن سعید بن العاص نام بھی تھا۔ لیکن یہ بھی تجربہ سے خالی تھا۔ آخر چالیس روز کے سوچ بچار کے بعد فیصلہ ٹھہرا کہ مروان کی بیعت کر لی جائے کیونکہ وہ عمر اور تجربہ دونوں لحاظ سے فائق ترین تھا۔ اس کے بعد خالد بن یزید اور عمرو بن سعید علی الترتیب خلیفہ ہوں گے[1]

ضحاکؓ بن قیس

اس وقت دمشق پر ضحاکؓ کا قبضہ تھا۔ یہ بہت با اثر سردار تھا۔ صحابیت سے مشرف تھا۔ حضرت معاویہؓ کے وقت سے دمشق کا گورنر چلا آتا تھا۔ یزید کی وفات کے بعد پہلے پہل ابن زبیرؓ کا حامی ہوا۔ پھر بنو امیہ کا زور دیکھ کر ان کی طرف پلٹ گیا۔ جابیہ کانفرنس کی تحریک اسی نے کی تھی۔ لیکن ابھی جابیہ کے رستہ ہی میں تھا کہ اس کی رائے دوبارہ ابن زبیرؓ کے حق میں بدل گئی اور واپس آکر دمشق میں مقیم ہو گیا۔

ضحاکؓ بہت قوت اور اقتدار کا مالک تھا۔ مروان کے لیے اس سے برسرِ میدان ہونا مشکل تھا۔ ضحاکؓ بہت سادہ لوح شخص تھا اس لیے اسے سیاسی چال سے شکست دینا آسان تھا۔ اس کام کا بیڑہ عبید اللہ بن زیاد نے اٹھایا۔ ابن زیاد دمشق آیا اور ضحاک کے ساتھ دوستانہ رسم و راہ پیدا کر لی۔ آہستہ آہستہ اس پر پورا اعتماد جما لیا ایک روز اسے صلاح دی کہ تم بہت امانت کیش اور صاحبِ لیاقت ہو۔ اگر تم خلافت حاصل کر لو تو عین بجا ہوگا۔ ضحاکؓ ان باتوں میں

---

[1] ابن اثیر۔

آگیا اور تین روز اپنی خلافت کی دعوت دیتا رہا۔ عوام نے بُرا مانا اور اسے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ پہلے تم نے ابن زبیرؓ کے لیے بیعت حاصل کی۔ پھر بغیر کسی سبب یا عذر کے تم نے یہ بیعت توڑ ڈالی۔ اب اپنی ذات کے لیے خلافت کے طلب گار ہو۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ ضحاک نے ناچار دوبارہ ابن زبیرؓ کی بیعت کی طرف رجوع کیا لیکن تلوّن اور عدمِ ثبات کی وجہ سے اس کی قدر جاتی رہی[1]

ابن زیادؓ کا پہلا تیر نشانے پر بیٹھ چکا تھا لیکن ابھی اسے ایک اور تیر بھی چھوڑنا تھا۔ دمشق میں ضحاک کی سیاسی قوت تیزی سے گر رہی تھی۔ ابن زیاد نے اسے مشورہ دیا کہ خلافت مطلوب ہے تو شہروں کے بجائے صحراؤں کا رُخ کرو۔ قبائل سے لشکر بھرتی کر کے لاؤ تاکہ دمشق پر تمہارا قبضہ مستحکم ہو سکے۔ ضحاک اس جھانسے میں آگیا۔ دمشق میں اس کی جو تھوڑی بہت فوج تھی اسے ساتھ لیا اور مرج راہط میں فروکش ہو گیا[2]

دمشق خالی ہوا تو مروان کے نائب نے قبضہ کر لیا۔ ابن زیاد نے مروان کو خط لکھا کہ اب بے شک کھل کر خلافت کی دعوت دو۔ مروان کو حالات کا علم ہوا تو فوراً بیعت لینی شروع کی اور جلد ہی ایک زبردست قوت فراہم کر لی۔ یہاں سے سیدھے مرج راہط کا رُخ کیا۔ ادھر ابن زیاد بھی دمشق سے چلا اور مرج راہط آ کر مروان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ دمشق کے والی نے اسلحہ وغیرہ کی مدد پہنچائی[3]

مروان کے پاس تقریباً تیرہ ہزار فوج تھی۔ ضحاک کی سپاہ تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ طرفین کی صف بندی ہوئی۔ جنگ

---

[1] ابن کثیر [2] ابن کثیر [3] ابن کثیر۔

چھڑی اور بیس روز جاری رہی - بہت لوگ مارے گئے - عبید اللہ نے مروان سے کہا کہ جنگ حیلہ گری کا نام ہے - اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ تم چال چلو اور مصالحت کا اعلان کر دو - مروان نے صلح کی منادی کر دی - ضحاک کا لشکر بے فکر ہو گیا تو مروانی فوج نے ان کا قتل عام شروع کر دیا - ضحاک نے آخر دم تک ثابت قدمی سے جنگ کی اور بہادری سے جان دی - ضحاک کا سر مروان کے سامنے پیش کیا گیا[1]

کہتے ہیں کہ فتح کے دن مروان یہ کہہ کر رو دیا کہ اب جب کہ بوڑھا اور ضعیف ہو چکا ہوں میں سلطنت کے لیے خون بہا رہا ہوں[2]

مرج راہط کی جنگ ۶۴ ہجری میں ذوالحجہ کے مہینہ میں ہوئی -

مروان کا مصر پر قبضہ

شام پر قبضہ مستحکم کرنے کے بعد مروان نے فوج لے کر مصر کی طرف قدم بڑھائے - یہاں ابن زبیرؓ کا نائب عبدالرحمٰن بن جحدم (ج ح د م) تھا - عبدالرحمٰن مروان کو رستہ ہی میں روکنے کے لیے مصر سے نکلا۔ مروان کو علم ہوا کہ عبدالرحمٰن مصر کو خالی کر آیا ہے تو ایک اور طرف سے عمرو بن سعید کے تحت لشکر مصر میں داخل کر دیا - عمرو بن سعید آسانی سے مصر پر قابض ہو گیا - عبدالرحمٰن کو خبر لگی تو مروان کا مقابلہ کیے بغیر چلا گیا - مصر میں مروان کی بیعت ہو گئی اور وہ دمشق کو واپس ہوا[3]

مروان کی ایک بد عہدی

مروان نے پاؤں جما لیے تو حکومت کو اپنی اولاد کے لیے وقف کر

---

[1] ابن کثیر [2] ابن کثیر [3] ابن اثیر

کا فیصلہ کیا ۔ جابیہ کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ مروان کے بعد خالد بن یزید اور اس کے بعد عمرو بن سعید خلیفہ ہوں گے ۔ مروان نے ۶۵ ہجری میں اس قرارداد کو توڑ دیا ۔ اس نے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو ولی عہد نامزد کیا ۔ اور عبدالملک کے لئے بیعت حاصل کر لی[1]

مروان کی وفات

رمضان ۶۵ ہجری کی ایک صبح کو مروان اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ بعد میں راز کھلا کہ اس کی بیوی ام خالد نے اسے قتل کیا ہے ۔

ام خالد یزید کی بیوہ تھی ۔ مروان کو کھٹکا تھا کہ خالد خلافت کا دعوٰے لے کر اٹھے گا ۔ اس لئے اس کو دبانے کے لیے مروان نے اس کی ماں سے شادی کر لی ۔ مروان خالد کو عوام کی نگاہوں میں گرانا چاہتا تھا ۔ اس لیے ایک دن برسرِ عام اس کی ماں ام خالد کے بارہ میں قبیح الفاظ کہے ۔ خالد نے ماں سے شکایت کی ۔ اس نے کہا ، چپکے رہو ، کسی سے ذکر نہ کرنا ۔ میں تمہاری طرف سے اس کو سمجھ لوں گی ۔ چند روز بعد مروان جب اس کے ہاں سویا تو ام خالد نے اس کے منہ پر سرہانہ رکھا اور لونڈیوں سمیت اس پر بیٹھ گئی ۔ مروان کا دم گھٹ چکا تو اٹھی ۔ عبدالملک نے بعد میں ام خالد کو قتل کرنا چاہا ۔ مشیروں نے رائے دی کہ جانے دو ورنہ لوگ کہیں گے کہ مروان کو ایک عورت نے مار ڈالا تھا عبدالملک باز آیا ۔

مروان کی مدت خلافت صرف نو مہینے ہے لیکن نتائج کے اعتبار سے

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر ۔ ابن کثیر

بہت اہم ہے اس کی حکومت کسی کے گمان میں بھی نہ تھی - اس نے نہایت ہوشیاری اور دانش مندی کے ساتھ شام اور مصر کے دو زرخیز اور دفاعی صوبوں میں اپنی حکومت کے پایے مضبوط کر لیے اور خلافت آلِ معاویہ سے نکال کر اپنی اولاد میں منتقل کر دی -

عبدالملک بن مروان (۶۵ تا ۸۶ ہجری)

اور

عبداللہ بن زبیرؓ (۶۵ تا ۷۳ ہجری)

مروان کی وفات کے وقت شام اور مصر کی ولایات اس کے بیٹے عبدالملک کے زیرِ نگین تھیں اور دیگر علاقے ابن زبیرؓ کے تحت۔ ابن زبیرؓ کی زندگی کے ابتدائی حالات سابقہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔ یہاں ہم عبدالملک کی قبلِ امارت کی زندگی پہ سرسری نظر ڈالیں گے۔

عبدالملک

عبدالملک سنہ ۶ ہجری میں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ولادت پائی۔ یہی سنہ یزید کی پیدائش کا بھی ہے۔ حضرتِ عثمانؓ کے محاصرہ کے وقت عبدالملک دس سال کا تھا۔

عبدالملک کی زندگی کے ابتدائی ایام مدینہ کے مردم خیز سرزمین میں گزرے۔ یہ شہر علمی لحاظ سے اسلامی قلمرو کا دل تھا۔ عبدالملک نہایت ذہین اور زود فہم تھا۔ اس نے علم کی طرف توجہ دی۔ علماء اور فقہاء اور عبادت گزاروں اور نیکو کاروں سے صحبت رکھتا تھا۔ علمی اور اخلاقی لحاظ سے وہ اِن مقدس ہستیوں کے فیض سے سیراب ہوا۔ اس نے قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم میں بہت نمایاں مقام پیدا کیا۔ قراءت میں یکتائے روزگار تھا۔ فقہ میں سعید بن مسیب اور امام شعبی کا ہم پایہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اس کی گوناگوں خوبیوں سے متاثر ہو کر سولہ برس کی عمر میں مدینہ کی گورنری کا موقع دیا۔

عبدالملک نے بربر کے علاقہ میں جہاد کیا اور معاویہ بن خدیج ایسے جرنیل کے تحت حربی تربیت حاصل کی[1]

عبدالملک نے مروان کے بعد خلافت سنبھالی۔ لیکن اس کے پہلو میں ایک اور اموی شہزادہ عمرو بن سعید کی رقابت کا ایک زہریلا خار تھا جس کے نکالے بغیر بنو امیہ کی وفاداری مشتبہ تھی۔ عبدالملک نے مناسب موقع دیکھتے ہی اس کا مداوا کیا

جابیہ کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ مروان اور خالد بن یزید کے بعد عمرو بن سعید خلیفہ ہوگا۔ لیکن مروان اس عہد کو توڑ کر عبدالملک کو جانشین کر گیا۔ خالد ابھی طفل تھا۔ اس کی طرف سے کھٹکا نہ تھا لیکن عمرو پر عبدالملک کی کڑی نگرانی تھی۔ ایک دفعہ عبدالملک دمشق سے باہر گیا تو عمرو نے اس شہر پر قبضہ جما لیا۔ عبدالملک واپس آیا تو کئی روز کی جنگ کے بعد اسے دوبارہ حاصل کیا۔ چند دن

---

[1] یہاں تک عبدالملک کے ابتدائی حالات ابن کثیر سے لیے گئے ہیں

بعد عبد الملک نے عمرو کو دھوکے سے بلایا اور اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیا۔ یہ واقعہ ۶۸ ہجری کا ہے[1]

اس کے بعد عبد الملک کو اموی خاندان کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہا۔ اب وہ دیگر حریفوں سے نبٹ سکتا تھا۔

توّابین کوفہ میں شیعۂ علیؓ کی خاصی تعداد تھی۔ ان دنوں ان کے سرغنہ سلیمان بن صُرَد تھے۔ آپ صحابی تھے۔ اہل بیت کے پُرجوش عقیدتمند اور داعی تھے۔ آپ کی جماعت نے حضرتِ حسینؓ کو کوفہ تشریف لانے کے لئے خط لکھے لیکن وہ کوفہ نہ پہنچ سکے۔ بعد میں انہیں اپنی کوتاہی کا رنج ہوا اور کہنے لگے کہ ہم جب تک حادثۂ کربلا کا انتقام نہیں لیتے اس کا گناہ ہماری گردنوں پر رہے گا۔ انہوں نے تہیہ کیا کہ شہدائے کربلا کے قاتلوں کو ٹھکانے لگائیں گے ورنہ خود مٹ کر رہ جائیں گے۔ انہوں نے اپنا نام توّابین (توبہ کرنے والے) رکھا۔ ان کے ہم خیال بصرہ اور مدائن میں بھی تھے۔ انہیں کوفہ بلایا اور اپنے نصب العین کے لیے مخفی تیاریاں شروع کر دیں۔

توّابین کی پوشیدہ جماعت بندی واقعۂ کربلا کے بعد سے جاری تھی۔ مروانی عہد میں جب ابن زیاد جزیرہ کی حکومت کا پروانہ لے کر شام سے روانہ ہوا تو توّابین پانچ ہزار سے کچھ زائد کی تعداد میں کوفہ سے نکلے۔ یہ ۶۵ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس وقت عراق پر ابن زبیرؓ کا قبضہ تھا۔ ان کے والی نے مزاحمت نہ کی کیونکہ توّابین کی ٹکر بنو امیہ سے تھی۔ یہ لوگ حضرتِ امام حسینؓ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ ایک

---

[1] ابن اثیر، مسعودی نے عمرو بن سعید کے قتل کی تفصیلات میں مختلف روایات بیان کی ہیں۔

دن رات رو رو کر معافی مانگی ۔ اس کے بعد مروانی حکومت کے ستون ابن زیاد سے بدلہ لینے کے لیے روانہ ہوئے ۔ شام کی سرحد پہ پہنچے تو ابن زیاد سے سامنا ہوا ۔ وہ ابھی شام اور جزیرہ کی راہ میں تھا دو روز بڑے زور کی جنگ ہوئی ۔ توّابین کی تعداد تھوڑی ہی تھی تاہم انہوں نے سرفروشی اور جاں سپاری کی خوب داد دی ۔ ان میں سے بہت کم لوگ زندہ بچے ۔ حضرتِ سلیمان بن صُرد شہادت پا گیے ۔

مختار بن ابو عُبید ثقفی

سلیمان بن صُرد کی مہم کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں رونما ہوا لیکن تحریک بدستور زندہ تھی ۔ اس کی زمام اب مختار بن ابو عبید ثقفی نے سنبھالی مختار بنو ثقیف کے قبیلہ سے تھا ۔ اس کا باپ ابو عُبید ایک شجاع جرنیل تھا جس نے حضرتِ عمرؓ کے عہد خلافت میں عراق کے محاذ پہ شہادت پائی تھی ۔

مختار ہجرت کے برس پیدا ہوا تھا ۔ نہایت ہوشیار اور دانش مند تھا ۔ بنو امیّہ کو دل سے برا سمجھتا تھا ۔ یزید کے عہد میں مقید ہوا حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ کے نکاح میں اس کی بہن تھی ۔ انہوں نے سفارش کر کے رہائی دلوائی جن دنوں ابن زبیرؓ کو حُصین بن نُمیر نے محصور کر رکھا تھا یہ ابن زبیرؓ کے ساتھ رہا ۔ یزید کی موت کے بعد کوفہ چلا آیا اور اہل بیت کی حمایت میں توّابین کا ہم نوا ہوا ۔ اس نے اس تحریک کی بہت تقویت کی لیکن طریق کار میں سلیمان بن صُرد سے متفق نہیں تھا ۔ اس لیے عملاً الگ رہا ۔ اس کے پیرووں کی ایک جداگانہ جماعت قائم ہو گئی ۔ کوفہ کے والی کو خدشہ ہوا تو اس نے مختار کو جیل میں ڈال دیا ۔ سلیمان بن صُرد کی وفات کے بعد توّابین نے اس کو سردار مان لیا ۔ عبداللہ بن عمرؓ نے دوبارہ سفارش کی اور قید سے

چھوڑ دیا ہے۔[1]

مختار کا یہ نظریہ تھا کہ خلافت کے حق دار حضرت علیؓ کے فرزند محمد بن حنفیہ ہیں۔ کوفہ کے چند آدمی حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس مکہ حاضر ہوئے اور پوچھا کہ آیا مختار کو ان کی تائید حاصل ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے ذریعے ہمارے دشمن سے انتقام دلوائے۔[2] اس کے بعد مختار کی قوت بڑھ گئی۔

مختار نے اپنی دعوت درپردہ رکھی۔ طاقت بڑھالی تو اچانک کوفہ پر قبضہ جما لیا۔ ابن زبیرؓ کے والی نے بھاگ کر بصرہ میں وہاں کے گورنر مصعب بن زبیرؓ کے پاس پناہ لی۔ مختار نے کوفہ کے صوبہ میں محمد بن حنفیہ کے حق میں بیعت لی اور اپنے حکام مامور کیے۔[3]

مختار نے سب سے پہلے قاتلینِ حسینؓ کی طرف توجہ کی۔ انہیں چن چن کر قتل کیا۔ عمرو بن سعد اس کا بہنوئی تھا۔ اس کا سر اس کے بیٹے کے سر کے ہمراہ محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجا اور خط لکھا کہ مزید قاتلوں کو تلاش کر رہا ہوں۔ شمر بن ذی الجوشن جو اس وقت کوڑھی ہو چکا تھا شہر سے بھاگا۔ مختار کے آدمیوں کو پتہ چل گیا۔ انہوں نے مار کر لاش کتوں کے آگے پھینک دی۔

مختار کی پالیسی تھی کہ ابن زبیرؓ کے ساتھ تعلقات استوار رہیں اس نے ابن زبیرؓ کو بنو امیہ کے مقابلہ پر تعاون کی پیش کش کی اور فوری مدد کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ ابن زبیرؓ کو اس پر بھروسہ

---

[1] الامامۃ والسیاستہ - ابن اثیر [2] ابن اثیر -

[3] الامامۃ والسیاستہ -

نہیں تھا۔ انہیں خدشہ ہوا کہ مختار اس حیلہ سے حجاز پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے آپ نے اس لشکر کا صفایا کر دیا۔[1]

محمد بن حنفیہؒ اور ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ کی بیعت سے انکاری تھے۔ لیکن سیاست میں عملی حصہ نہیں لیتے تھے۔ مختار نے کوفہ میں محمد بن حنفیہؒ کے نام سے حکومت قائم کی تو حضرتِ ابن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہؒ کو شک کی بنا پر ان کے چند حامیوں کے ہمراہ حراست میں لے لیا اور کہا کہ جب تک آپ میری خلافت تسلیم نہیں کریں گے رہائی نہیں دوں گا۔ مختار نے سپاہ بھیج کر محمد بن حنفیہؒ کو رہائی دلوائی۔

عبید اللہ بن زیاد کو مروان نے جزیرہ کی حکومت دی تھی اور ایک لشکر عراق پر چڑھائی کے لیے ہمراہ کیا تھا۔ عبید اللہ نے جزیرہ پر قبضہ جمایا اور ابھی وہیں مقیم تھا کہ مختار نے اپنے ایک جاں باز اور سرکردہ سالار ابراہیم بن مالک اشتر کو اس سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ ابراہیم نے فتح پائی۔ شامی لشکر کا ایک کثیر حصہ کام آیا۔ ابن زیاد اور حصین بن نمیر کے سر کوفہ لائے گئے۔

عبید اللہ کا سر جامع کوفہ میں رکھا گیا۔ ناگہاں ایک سانپ آیا ابن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہوا۔ کچھ دیر ٹھہر کر باہر نکلا۔ اس طرح تین چکر کاٹے اور پھر غائب ہو گیا۔[2]

مختار نے ابن زیاد کا سر محمد بن حنفیہؒ کے پاس بھیجا۔

عبد اللہ بن زبیرؓ نے ۶۷ ہجری میں بصرہ کی ولایت پر اپنے بھائی مصعب بن زبیرؓ کو مامور کیا اور حکم دیا کہ مختار کی سرکوبی کرو۔[3]

---

[1] ابن اثیر [2] ترمذی ابواب المناقب [3] الامامتہ والسیاستہ

مختار عربوں پر اہلِ عجم کو فوقیت دیتا تھا۔ اس لئے عرب قبائل
اس سے مایوس ہو گئے۔[1]

اس کے علاوہ قاتلینِ حسین کو سزا دینے کے دوران کچھ بے
اعتدالیاں ہوئیں۔ مختار کے ساتھیوں نے بعض لوگوں کو محض ذاتی
کینہ کی بنا پر مار ڈالا۔ عرب قبائل نے مختار کے خلاف ایکا کیا۔ ان
کی ایک کثیر تعداد کام آئی۔ اشرافِ عرب کا ایک گروہ بھاگ کر
مصعب بن زبیرؓ حاکم بصرہ کے پاس پہنچا اور مختار پر چڑھائی کی
ترغیب دی۔ مصعب فوج لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کوفہ
کے قریب پہنچے تو مختار کا ایک لشکر روکنے آیا۔ لیکن ہار کھا گیا۔ اب
مختار خود مقابل ہوا۔ ایک تلی ہوئی جنگ ہوئی۔ مختار پلٹ کر کوفہ
آیا اور قصرِ امارت میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ محاصرہ نے تقریباً چار ماہ
تک طول کھینچا۔ پانی اور غلہ کی بالکل بندش تھی اس لیے مختار کا
لشکر عاجز آگیا۔ مختار نے مشورہ دیا کہ باہر نکل کر مردانہ وار جان دو۔
لیکن کسی نے کان نہ دھرا۔ وہ صرف ۱۹ آدمیوں کے ساتھ قلعہ سے
نکلا اور لڑ کر جان دی۔ کوفہ پر مصعب کا قبضہ ہو گیا یہ ۶۷ ہجری کا
واقعہ ہے[2]

مؤرخین نے مختار کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے اور اس کی سیرت
کو بہت بد نما کر کے دکھایا ہے مثلاً اس مضمون کی روایات ملتی ہیں کہ
محمد بن حنفیہ نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا۔ مختار نے آپ کی
طرف سے ایک جعلی خط کوفہ والوں کو دکھا کر اپنا سکہ جمایا۔ ایک
پرانی کرسی کو حضرت علیؓ سے منسوب کیا اور کہا کہ یہ ہمارے لیے

۱؎ اخبار الطوال صفحہ ۳۰۶ ۲؎ ابن اثیر۔ ابن خلدون۔ اخبار الطوال

ایسی ہی بابرکت ہے جیسے بنو اسرائیل کے لیے تابوتِ سکینت۔ اس کے علاوہ جب وہ آخیر میں محاصرہ سے نکل کر مصعب کے لشکر سے لڑنے آیا تو اپنے ایک ساتھی سے کہا، میں نے دیکھا کہ ابن زبیرؓ نے حجاز پر قبضہ کر لیا ہے، ابن نجدہ نے یمامہ پر اور مروان نے شام پر تو میں نے بھی ان کی طرح خواہش کی سوائے اس کے کہ عرب والے قاتلینِ حسینؓ سے غافل ہو کر سو گیے اور میں نے انتقام لیا۔

مختار کو اس کی زندگی ہی میں کذّاب بھی کہا جاتا تھا۔ لیکن ابن عباسؓ کا نظریہ مختلف تھا۔ اگر وہ مختار کے حق میں نہ تھے تو مخالف بھی نہ تھے۔ مختار کے قتل کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے ابن عباسؓ سے کہا کہ آپ نے کذّاب کے قتل کی خبر نہیں سنی؟ ابن عباسؓ نے پوچھا، کذّاب کون ہے؟ ابن زبیرؓ نے جواب دیا، مختار بن ابو عبیدہ ابن عباسؓ بولے ہاں۔ میں نے مختار کے قتل کی خبر سنی ہے۔ ابنِ زبیرؓ نے فرمایا۔ شاید آپ نے اس کے لیے کذّاب کا نام پسند نہیں کیا۔ اور اس کے قتل پر دکھی ہیں۔ ابن عباسؓ نے جواب دیا، اس شخص نے ہمارے قاتلوں کو فنا کیا، ہمارا بدلہ لیا اور ہمارے سینے کی آگ بجھائی۔ اس کی جزا یہ نہیں کہ ہماری زبان سے اس کے لیے گالیاں نکلیں اور ہم اس کے مرنے پر خوشی منائیں[1]۔

مختار عقائد کی رو سے شیعی تھا اور غالباً کیسانی گروہ سے تھا۔ بعض مؤرخین نے اسے کیسانیہ کا بانی کہا ہے۔ یہ فرقہ محمد بن حنفیہ کو امام مانتا تھا۔

---

[1] ابن اثیر

تاریخ اسلام میں مختار کا کردار

مختار کی سیرت اور عقائد سے قطع نظر، اس نے اسلام کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایک طرف تو اس کا یہ لاجواب کارنامہ ہے کہ اس نے قاتلین حسینؓ سے جی بھر کر انتقام لیا جس صحن میں حسینؓ کا سر عبیداللہ کے سامنے رکھا گیا تھا وہیں عبیداللہ کا سر مختار کے آگے پیش ہوا۔ لیکن اس کے ہاتھوں دانستہ یا نادانستہ طور پر بنو امیہ کی بہت تقویت بھی ہوئی اور ابن زبیرؓ کی سیاست کو بہت ضعف پہنچا۔ اس نے عراق کو دو گروہوں میں بانٹ دیا۔ ایک گروہ ابن زبیرؓ کا حامی تھا اور ایک مختار کا۔ مختار کی فوج کی ایک کثیر تعداد مصعب بن زبیرؓ کے ہاتھوں کھیت رہی ان کے پس ماندگان اور رشتہ داروں کا ابن زبیرؓ سے بر سرِ عداوت ہونا قدرتی تھی۔ نتیجہ یہ کہ عبدالملک ابھی شام میں تھا کہ اس کو عراق والوں کے بلاوے پہنچنے لگے۔

عبدالملک کی قیصرِ روم سے مصالحت

۷۰ ہجری میں قیصر روم نے شام پر حملہ کرنے کے لئے تیاری کی۔ عبدالملک کے قدم ابھی مضبوط نہ تھے اس لئے ہفتہ وار خراج کے وعدہ پر صلح کر لی اور اسے تحفے بھیجے [1]

عبدالملک کی عراق پر فوج کشی

عراق کے لوگ عبدالملک کو چٹھیاں لکھ رہے تھے کہ تم عراق پر چڑھائی کرو، ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔ عبدالملک

---

[1] ابن اثیر مسعودی

عمرو بن سعید سے فارغ ہو چکا تھا اور قیصر روم سے صلح کر کے اس کا خطرہ ٹال چکا تھا۔ اب ابن زبیرؓ سے روکنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ ۷۱ ہجری میں عراق پہ حملہ آور ہوا۔

عبد اللہ بن زبیرؓ کا بھائی مصعب مقابلہ کو موجود تھا باجمیرا کے قریب دونوں لشکر تقریباً تین فرسخ کا فاصلہ چھوڑ کر خیمہ زن ہوئے۔ عبد الملک نے سفیر بھیجا کہ شوریٰ کے ذریعے تصفیہ کیا جائے۔ مصعب نے جواب دیا کہ یہ فیصلہ تلوار سے ہو گا۔ اس دوران مصعبؓ کے بعض سردار آہستہ آہستہ عبد الملک کی چھاؤنی میں آگئے۔

جنگ چھڑی تو مصعب کے کئی مزید امراء عبد الملک کی رشوت اور سنہری وعدوں میں آکر عین موقع پہ دھوکا دے گئے۔ مصعب شجاعت کا پیکر تھا۔ آخر دم تک جان لڑاتا رہا۔ عبد الملک اس کی خوبیوں کا بہت قدر دان تھا۔ اس کے علاوہ کسی زمانے میں وہ گہرے دوست بھی رہے تھے۔ اس نے امان کا پروانہ لکھ بھیجا۔ لیکن مصعب نے کہا کہ میں غلبہ پاؤں گا یا جان دوں گا۔ زخموں سے چور ہو کر بھی دھیما نہ پڑا اور شجاعت کی دھاک بٹھا کر جان دی۔ عبد الملک کے پاس اس کا سر آیا تو تاسف کیا اور رو کر کہا کہ اب کوئی ماں ایسا بیٹا نہیں جنے گی۔ عراق اب عبد الملک کے زیر نگیں آگیا۔

مکہ پر فوج کشی

عبد الملک کچھ عرصہ چھوٹے چھوٹے دستے حجاز کے علاقوں میں ابن زبیرؓ کو تنگ کرنے

لہ ابن اثیر۔ ابن کثیر

اور اس کی قوت کو جانچنے کے لئے بھیجتا رہا۔ حج کے کوئی جنگ نہ
ہوئی مصعب کے قتل کے بعد عبدالملک نے مکہ پہ لشکر بھیجنے
کا ارادہ کیا۔ کوئی امیر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ حجاج بن یوسف نے
ہامی بھری۔ اس نے ۷۲ ہجری میں سات ہزار سواروں کے ساتھ
مکہ کی جانب کوچ کیا۔ طائف میں پڑاؤ ڈالا۔ حجاج کے دستے طائف
سے چل کر عرفہ کے میدان میں ابن زبیرؓ کی فوج کے ساتھ جنگ
کرتے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ ہر بار ابن زبیرؓ کی فوج ہزیمت
اٹھاتی۔ یہ جھڑپیں ایک عرصہ تک جاری رہیں۔ آخر حجاج نے
عبدالملک کو خط لکھا کہ ابن زبیرؓ کی طاقت تیزی سے گر رہی ہے
اور اس کے ساتھی منتشر ہو رہے ہیں مجھے حرم میں داخل ہونے
کی اجازت دو اور مدد بھیجو۔ عبدالملک نے ایک لشکر بھیجا جس
نے پہلے مدینہ کو قبضہ میں لیا اور پھر حجاج کے ساتھ جا کر شریک
ہوا۔

حجاج نے بڑھ کر ابن زبیرؓ کو حرم میں گھیر لیا۔ ابن زبیرؓ کی اقتداری
اور فوجی طاقت سرعت سے روبہ زوال تھی۔ محاصرہ پہ تقریباً سات
مہینے گزر گئے۔ ابن زبیرؓ پہ کمک اور رسد قطعاً بند تھی۔ شہر
کے محصور حصے میں قحط نے سر اٹھایا۔ لوگ بھوک سے نڈھال ہو
گئے۔ ساتھ کی پہاڑیوں پہ حجاج نے منجنیق نصب کر کے سنگ
باری شروع کر رکھی تھی اس سے ہراس اور بڑھ رہا تھا۔ نوبت
یہ کہ ابن زبیرؓ کی تقریباً دس ہزار سپاہ عاجز آ کر حجاج کے ساتھ
مل گئی۔ ابن زبیرؓ کے دو بیٹے (حمزہ اور خبیب) بھی دشمن کے کیمپ
میں جا پہنچے۔ ابن زبیرؓ نے ایک اور بیٹے کو بھی اجازت
دی کہ حجاج کے پاس جا کر جان بچالو لیکن اس نے آپ کا ساتھ

چھوڑنا گوارا نہ کیا[1]

حجاج نے ابن زبیرؓ کو متواتر خطوط لکھے کہ میں تمہیں امان پیش کرتا ہوں۔ اس کے بھائی عروہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ آپ جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔ لیکن ابن زبیرؓ نے قبول نہ کیا[2]

ابن زبیرؓ کی شہادت

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اماں! لوگ مجھ سے جدا ہو گئے ہیں حتیٰ کہ بیٹوں اور گھر والوں نے بھی مجھے چھوڑ دیا ہے۔ میرے پاس مٹھی بھر سپاہ ہے۔ اس کا حوصلہ بھی ٹوٹنے کو ہے۔ حریف مجھے منہ مانگی مراد دینے کو تیار ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے[3]

حضرتِ اسماءؓ کی عمر تقریباً ایک سو برس تھی۔ ان کی بینائی جا چکی تھی۔ انہوں نے اپنے سعادت مند فرزند کو جو جواب دیا وہ ہر ماں کے لئے سرمایۂ درس ہے۔ فرمایا اگر تم جانتے تھے کہ میں حق پہ ہوں اور حق کی دعوت دے رہا ہوں تو اپنا کام جاری رکھو کیونکہ حق کی خاطر تمہارے رفقاء نے جان دی۔ اگر تم نے دنیا کے لیے جنگ برپا کی تھی تو بہت برا کیا اور ناحق خلقِ خدا کو ہلاک کیا۔ اب اگر حق بجانب ہو کر بھی یہ کہتے ہو کہ میرے ساتھی چل دیئے اور میری قوت ماند پڑ گئی ہے تو یہ طریقہ احرار اور اہل دین کا نہیں۔ آخر کب تک زندہ رہو گے۔ عزت سے جیو اور عزت سے مرو۔ ابن زبیرؓ نے کہا کہ دشمن میری موت کے بعد میرے بدن کو قطع کرے گا۔ اور اسے سولی پہ آویزاں کرے گا۔ آپ نے جواب دیا، مرنے

---

[1] ابن اثیر [2] مسعودی [3] ابن اثیر [4] مسلم کتاب الحج باب فی متعتہ الحج

کے بعد بکری کی کھال کھینچی جائے تو اسے کچھ الم نہیں ہوتا۔ اپنی بصیرت سے کام لو اور اللہ سے مدد کی دعا کرو۔ ابن زبیرؓ بولے، میری بھی یہی رائے تھی۔ آپ نے اُسے پختہ کر دیا ہے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کے بدن پر زرہ تھی۔ حضرت اسماءؓ نے یہ بھی اتروا دی اور اللہ کو سونپ دیا[1]

ابن زبیرؓ تلوار تھام کر آئے۔ کئی روز تک حجاج بن یوسف کی سپاہ پر شیرانہ حملے کرتے رہے[2] آخر جامِ شہادت پی گئے۔ حجاج نے آپ کا سر عبدالملک کے پاس بھجوایا اور آپ کے جثہ کو برسرِ عام سولی پر لٹکا دیا۔ حضرت اسماءؓ بیٹے کی نعش کے پاس گئیں۔ دیر تک ان کے لئے دعا کرتی رہیں۔ آپ کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔ اتنے میں حجاج بھی آ گیا۔ حضرت اسماءؓ نے اس سے کہا، کیا اس سوار کے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ حجاج نے طنز سے جواب دیا[3]

عبداللہ بن عمرؓ ابن زبیرؓ کی نعش کے پاس گئے۔ کھڑے ہو کر اسے خطاب کیا! اے ابن زبیرؓ تو بہت روزہ دار اور نماز گزار تھا۔ اور اپنے قرابت داروں کے حقوق خوب پہچانتا تھا۔ اگر (جیسا تیرے دشمن کہتے ہیں) تو سب سے بُرا تھا تو یہ امت واقعی بہترین ہے (یعنی جس امت کا کمترین فرد تیری طرح ہے اس کی برتری کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے) حجاج تک یہ الفاظ پہنچے تو آپ کی نعش اتروا کر دفن کروا دی[4] یہ ۷۳ ہجری کا واقعہ ہے۔

---

[1] ابن اثیر۔ الامامۃ والسیاسۃ [2] ابن کثیر ص ۳۴۳، ۳۴۴
[3] ابن کثیر ص ۳۴۴، ۳۴۳
[4] صحیح مسلم کتاب الحج۔ ابن کثیر۔

ابن زبیرؓ کی ناکامی کے اسباب

عبد اللہ بن زبیرؓ ایک نیک سیرت اور شستہ کردار انسان تھے۔ ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر اہل اسلام نے ان کی خلافت فوراً مان لی تھی۔ لیکن آپ کا نظامِ کار روز بروز بگڑتا گیا اور آپ مروانی سیاست سے مات کھا گئے۔ مروان اور عبد الملک اپنے مقبوضات بڑھانے کے لئے برابر ہاتھ پاؤں مارتے رہے۔ لیکن آپ نے توجہ نہ دی تاآنکہ حجاج کا لشکر اچانک آپ کے سر پر آموجود ہوا۔ حیرت ہوتی ہے کہ مختار کو بھی آپ نے ڈھیل دی اور جب تک عراق خطرہ میں نہ گھرا اس سے باز پرس نہ کی۔

مروانی سلطنت میں مکمل امن وامان تھا۔ لیکن حضرتِ ابن زبیرؓ کے دائرۂ حکومت میں شور و سر بڑھتا جا رہا تھا اور جمعیت پریشان ہو رہی تھی۔ ۶۸ ہجری میں حج کے موقع پر چار مختلف جھنڈے تھے۔ آپ کے علم کے علاوہ عبد الملک مختار ثقفی اور خوارج کے علَم بھی لہرا رہے تھے۔ مکہ آپ کا صدر مقام تھا۔ وہاں اس قسم کے حالات دیکھ کر عوام میں آپ کے نظم و ضبط کا کمزور ہونا لازم تھا۔

اگر عبد اللہ بن زبیرؓ مکہ میں ٹک کر بیٹھ نہ رہتے اور حکومت دمشق کے خلاف سرگرمی سے قدم اٹھاتے تو عین ممکن ہے کہ آپ اس پر غالب آتے۔ لیکن شخصیت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو ایک جگہ سمٹ رہے تو کب تک مؤثر رہے گی۔ اگر بجائے اس کے کہ شامی افواج پیش قدمی کرتیں حجاز کے عساکر دمشق کے دروازہ پر ہتھیار بجاتے تو شاید ابن زبیرؓ کی ناکامی کا الم ناک سانحہ رونما نہ ہوتا اور تاریخ کی روداد مختلف ہوتی۔

حجّاج بن یوسف

عبد اللہ بن زبیرؓ کو رستہ سے ہٹانا یقیناً مشکل تھا۔ لیکن شوریدہ سر عراقیوں کو ادب و اطاعت کا سبق پڑھانا مشکل تر تھا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے عبد الملک نے اس آہنی شخصیت کو آگے بڑھایا جسے حجاج بن یوسف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسے بنو مروان کی تلوار کہیں تو بجا ہو گا۔

حجاج بن یوسف ۴۱ ہجری کے لگ بھگ پیدا ہوا۔ طائف کے قبیلہ بنو ثقیف سے تھا۔ طائف میں کچھ عرصہ مدرس بھی رہا یہ ایک بلند پایہ ادیب اور فصیح و بلیغ اور آتش بار خطیب تھا بعض لوگ قرآن حکیم کے اعراب بھی اس سے منسوب کرتے ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں۔

حجاج کے بارہ میں یہ حکایت بتائی جاتی ہے کہ پیدائش کے بعد دودھ نہیں پیتا تھا۔ چار دن تک اسے خون پلاتے رہے جب اس نے دودھ پینا شروع کیا[1] اس حکایت میں صداقت نظر نہیں آتی۔

حجاج بن یوسف کی بے خوفی اور حربی مہارت کی ایک جھلک ہم سابقہ صفحات میں دیکھ آئے ہیں۔ اب ایک گورنر کی حیثیت میں اس کی زندگی کا ایک نیا باب کھلتا ہے اور وہ ایک تاریخی شخصیت کی شان سے ابھرتا ہے۔

عبد الملک نے حجاج بن یوسف کو کوفہ اور بصرہ، دونوں صوبوں کی ولایت سونپ دی اور سیاہ و سفید کا مالک کر دیا۔ اس نے اہلِ عراق کی

---

[1] مسعودی ۳: ۱۴۲

شعلہ مزاجی کو تلوار کے پانی سے ٹھنڈا کیا اور اپنی تمرد کو خارجیوں کے وجود سے صاف کیا۔ حجاج ۷۵ ہجری میں فقط بارہ سواروں کے ساتھ کوفہ آیا۔ عوام کو مسجد میں اکٹھا کیا۔ اس کا چہرہ سرخ عمامہ میں مستور تھا۔ لوگ پہچان نہ سکے۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی خارجی ہے جیسا کہ عراق والوں کا وتیرہ تھا انہوں نے کنکریاں اٹھائیں کہ اس کے منہ پر ماریں۔ اتنے میں حجاج اٹھا اور چہرے سے کپڑا سرکایا۔ لوگ سہم گئے تھے۔

حجاج نے تقریر شروع کی :-

اے عراق والو! شقاق و نفاق والو اور برے اخلاق والو! میری بڑی تمنا تھی کہ تم سے سروکار پڑے۔ کل میرا کوڑا گم ہو گیا اور اس کے عوض (تلوار دکھا کر) یہ کوڑا لیا ہے۔ کتنے ہی سر دیکھتا ہوں جو پک گئے ہیں اور ان کے چننے کا وقت آ گیا ہے۔ عماموں اور داڑھیوں پر خون چلتا نظر آتا ہے۔ میں مستعد ہوں۔ تم بھی مستعد ہو جاؤ۔ خدا کی قسم بڑے کے عوض چھوٹے کو اور غلام کے عوض آزاد کو پکڑوں گا اور لہار کی طرح کوٹوں گا..........

یہ سن کر لوگوں کے ہاتھوں سے کنکریاں گرنے لگیں۔

حجاج نے تقریر جاری رکھی اور کہا :-

عبدالملک نے اپنا ترکش پھیلا کر ایک ایک تیر کو جانچا اور مجھے سب سے کڑا اور تیز پایا اور تمہاری طرف پھینکا۔ تم نے مدت سے شر کی وضع اختیار کی ہے اور بغاوت کی راہیں تراشی ہیں۔ اب کمر باندھ لو اور درست ہو جاؤ۔

لہ ابن کثیر ج ۹ ص ۷۹۸

اللہ کی قسم! حق پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ ورنہ تم پر تلوار کی وہ چوٹ لگاؤں گا جو عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دے گی یہاں تک کہ تم باطل سے کٹ جاؤ اور اس کی محبت سے باز آجاؤ۔ اگر نافرمانوں کی باگ چھوڑ دی جائے تو نہ ملک فتح ہوں، نہ دشمن کا مقابلہ ہو اور نہ سرحدوں کی حفاظت ہو۔ نافرمانوں کو جبراً جنگ پر نہ بھیجا جائے تو خوشی سے کبھی نہ جائیں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مہلب کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اور اس کی نافرمانی اور مخالفت کر کے شہر میں لوٹ آئے ہو۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آج سے تین روز بعد مہلب کے لشکر کا ایک آدمی بھی میں نے دیکھا تو اس کا سر اڑا دوں گا۔ اور اس کا گھر لوٹ لوں گا[1]

خطبہ کے بعد حجاج نے عبدالملک کے فرمان کی خواندگی کا حکم دیا۔ پڑھنے والے نے جب السلام علیکم پڑھا تو جواب میں کوئی آواز سنائی نہ دی۔ حجاج نے کہا، اسے لاٹھی اٹھنے غلامو! امیرالمومنین سلام کہہ رہے ہیں اور تمہاری طرف سے جواب نہیں آتا واللہ! میں تمہارے طور بدل دوں گا۔ پھر قاری سے کہا، پڑھو۔ قاری نے جب دوبارہ السلام علیکم پڑھا تو سب مجمع نے آواز ملا کر پکارا۔

سلام اللہ علی امیرالمؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(امیرالمومنین پر اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمت اور برکات ہوں)

ایک بڈھا شخص جنگ سے معافی چاہنے کے لئے کھڑا ہوا اور

---

[1] خطبہ ابن کثیر اور ابن اثیر سے مقتبس ہے [2] ابن اثیر۔

بولا کہ میں ضعیف اور علیل ہوں۔ حجاج نے اسے وہیں مروا دیا[1]
حجاج کی ایک ہی گرج نے عراق کے لاڈلوں کو حکم کا بندہ بنا
دیا۔ لوگ بھاگم بھاگ گھروں سے نکل کر مہلب کی لشکر گاہ کی طرف
روانہ ہوئے۔ پل پر اژدحام ہو گیا[2]
اس کے بعد حجاج بصرہ گیا۔ ایک ہی تقریر سے بصرہ والوں
کے بل بھی نکال دیئے اور اہل فوج کو مہلب کے پاس جانے کا
حکم دیا۔ ایک شخص کو بیماری کے عذر پر بشر بن مروان نے معذور
گردانا تھا۔ اس نے اپنا عذر پیش کیا۔ حجاج نے اس کی گردن
کٹوا دی۔ سب لوگ سیدھے ہو گئے[3]

خوارج

عراق میں خوارج کے روز افزوں ہنگامے برپا تھے
ان کے لئے عبد الملک اور ابن زبیرؓ کی کش مکش بہت
سازگار تھی۔ یمامہ میں ان کی ایک نئی جماعت نے جنم لیا جس کا پیشوا
نجدہ حروری تھا۔ خوارج نے فارس، عراق، بحرین اور یمن وغیرہ
میں خوب جڑیں پھیلائیں۔ مہلب بن ابی صفرہ ابن زبیرؓ اور
عبد الملک دونوں کے عہد میں خوارج کی بیخ کنی پر مامور رہا۔ ابن زبیرؓ
کے عہد میں اس نے خوارج کو جگہ جگہ زک دی۔ لیکن یہ سخت جان
مخلوق مٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ عبد الملک نے ان کے خلاف نہایت
وسیع پیمانہ پر اہتمام کیا۔ اس نے مہلب کی مدد پر چیدہ چیدہ جرنیل
بھیجے۔ خوارج کا زور ٹوٹتا نظر آیا لیکن اتنے میں بشر بن مروان والی
عراق نے انتقال کیا۔ خوارج کے خلاف زیادہ تر عراق کی فوجیں
مامور تھیں۔ بشر کا ان پر بہت دبدبہ تھا۔ اس لئے مہلب سے

---

[1] ابن کثیر، ج۹، ص۱۱ [2] ابن اثیر [3] ابن اثیر - ابن کثیر

تحت فرائض انجام دیتے رہے لیکن انہوں نے بشر کی موت کا سنا تو گھروں میں لوٹ آئے۔ مہلب کے پاس جو فوج رہی وہ بہت ناکافی تھی۔

بشر بن مروان کا عہدہ حجاج بن یوسف کو ملا۔ اس نے آتے ہی عراق والوں پر اپنی ہیبت کا ایسا سکہ قائم کیا کہ مہلب کو چھوڑ کر جس قدر لوگ واپس آئے تھے سب بھاگ بھاگ کر اس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہوئے۔

پے در پے کامیابیوں نے حجاج کا دماغ بہت چڑھا دیا تھا۔ ادھر تو لوگوں کو مہلب کی مدد پر ابھارنا شروع کیا اور ادھر فوج کی تنخواہیں گھٹا دیں۔ ایک سردار عبداللہ بن جارود نے اس تخفیف کو برا مانا۔ چند دیگر رؤساء نے اس کا ساتھ دیا۔ ابن جارود کے تحت ایک بہت بڑا لشکر تیار ہوا اور اس نے حجاج کو عراق سے نکالنے پر کمر باندھ لی۔ ۷۶ ہجری میں ایک جنگ ہوئی۔ حجاج کا لشکر قلیل تھا۔ جنگ چھڑی تو ابن جارود ظفر یاب ہوتا نظر آیا۔ لیکن ایک ناگہانی تیر کھا کر گرا اور دم توڑ دیا۔ حجاج نے فتح پائی۔ اب وہ پوری توجہ خوارج پر مبذول کر سکتا تھا۔

ان دنوں کوفہ اور اس کے نواح میں خارجیوں کے سرغنہ شبیب کا دور دورہ تھا۔ حجاجی دور میں ایک عبادت گزار شخص صالح نام نے بنو امیہ کے مظالم کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا اور شبیب کا معاون ہو گیا۔ صالح جلد مارا گیا لیکن خوارج کو اس سے بہت تقویت ہوئی۔

حجاج نے شبیب کے خلاف کئی دستے بھیجے۔ انہوں نے ہر بار منہ کی کھائی اور بہت جانیں ضائع گئیں۔ ایک دن شبیب کوفہ میں

داخل ہو گیا۔ کئی رؤساء کو قتل کیا اور شہر پر رعب بٹھا کر واپس چلا گیا۔ حجاج نے ایک ممتاز جرنیل عبدالرحمٰن بن اشعث کو اس کے خلاف روانہ کیا اور کہا کہ تم ہار کر آئے تو سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ شبیب نے بجائے بر سر میدان آنے کے ایسی جنگی چالیں چلیں کہ عبدالرحمٰن تھک کر رہ گیا۔ اتنے میں عید کے ایام آ گئے۔ عبدالرحمٰن نے شبیب کے ساتھ عارضی صلح کر لی۔ حجاج نے اسے معزول کر کے عثمان کو مامور کیا۔ عثمان ایک معرکہ کے دوران شبیب کی تلوار کا شکار ہو گیا۔

شاہی فوج کی مسلسل شکستوں کو دیکھ کر لوگ بد دل ہونے لگے۔ حجاج نے عبدالملک کو عریضہ لکھا کہ شبیب عراق کے شہروں پر چھا گیا ہے۔ کوفہ کی فوج اس سے عاجز ہے۔ شام سے کمک بھیجو۔ عبدالملک نے چھ ہزار فوج روانہ کی۔

حجاج نے پچاس ہزار کی سپاہ شبیب کے خلاف بھیجی۔ شبیب کی کل سات سو سپاہ نے اسے شکست دی۔ شبیب کوفہ کے سر پر آدھمکا۔ حجاج خود مقابلہ کو نکلا۔ عراقیوں کے بس میں ہوتا تو حجاج کی شکست کہیں نہ گئی تھی لیکن شامی فوج کی وفاداری کام دے گئی۔ شبیب پسپا ہوا۔ حجاج نے تعاقب میں لشکر بھیجے اور کوفہ کے نواح میں جھڑپیں ہوئیں۔ شبیب کا پلہ بھاری تھا۔ حجاج نے امداد کے لئے عبدالملک سے ایک اور اپیل کی۔ اس کی کمک آنے پر نئے سرے سے معرکہ آرائی ہوئی۔ شامیوں نے بھی دل چھوڑ دیا۔ لیکن شبیب اچانک دریا میں گر کر مر گیا۔ اس کے فرقہ کا زور ماند پڑ گیا۔ اس کی لاش کو دریا سے نکال کر دل دیکھا گیا تو پتھر کی طرح سخت تھا۔

مہلب خوارج کے فرقۂ ازارقہ سے الجھا ہوا تھا۔ اس نے سارا فارس ان کے ہاتھ سے چھین کر حجاج کے قدموں میں ڈال دیا۔ لیکن پھر ۱۸ ماہ تک اس کی پیش قدمی رکی رہی۔ اتنے میں حالات نے یاوری کی۔ ازارقہ میں اختلاف اٹھا اور وہ دو گروہ ہو گئے۔ مہلب نے ایسی تدبیریں لڑائیں کہ ان کا اختلاف باہمی جنگ میں بدل گیا۔ اب ان کی گوشمالی آسان تھی۔

افریقیہ

یزیدی حکومت کے آخری ایام میں افریقیہ پر ایک باغی سردار کسیلہ بن کرم نے رومیوں کی مدد سے قبضہ جما لیا تھا۔ اسلامی حکومت اندرونی خلفشار کے سبب سے ایک مدت تک ادھر توجہ نہ دے سکی۔ بالآخر ۶۹ ہجری میں عبدالملک نے زہیر بن قیس کو یہ مہم اٹھانے کا حکم دیا۔ اس نے کسیلہ کی بیخ کنی تو کر لی لیکن اس دوران رومیوں نے برقہ پر قابض ہو کر وہاں کے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے۔ زہیر کی فوج قلیل تھی تاہم برقہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کی تمام فوج کام آگئی۔ پانچ برس تک حکومت ان علاقوں پر توجہ نہ دے سکی۔

عبدالملک نے ۷۴ ہجری میں ابن زبیرؓ سے فارغ ہونے کے بعد حسان بن نعمان کو افریقیہ پر بھیجا۔ اس نے قرطاجنہ کا شہر فتح کیا اور آس پاس کے علاقے زیر کیے۔ ان دنوں جبل اوراس میں بربر کی ایک ظالم ملکہ حکمران تھی۔ وہ کاہنہ تھی۔ کاہنہ فوج لے کر حسان کے مقابل ہوئی۔ اسلامی فوج نے بہت نقصان اٹھایا۔ حسان شکست کھا کر مصر واپس چلا آیا اور کاہنہ نے کل افریقیہ پر تسلط قائم کر لیا۔

عبدالملک ان دنوں خوارج کے کانٹوں میں الجھا ہوا تھا۔ وہاں سے فراغت پائی تو حسان کو مدد بھیجی۔ حسان نے بڑے لاؤ لشکر سے

کاہنہ پر حملہ کیا۔ کاہنہ نے دیکھا کہ مقابلہ مشکل ہے تو علاقہ کی تخریب شروع کر دی تاکہ مسلمان ملک کو ویران دیکھ کر پلٹ جائیں۔ رعیت اس سے پہلے ہی بد دل تھی۔ اب دشمن ہو گئی۔ حسان جہاں جہاں پہنچا لوگ خود بخود اطاعت کرتے گئے۔ کاہنہ نے بالآخر جنگ کی طرح ڈالی اور ایسا معرکہ چھڑا گویا فنا کا دن ہے۔ کاہنہ تاب نہ لا سکی اور بھاگی لیکن گرفتار ہو کر ماری گئی۔ اس کے ملک پر اسلامی قبضہ ہو گیا۔

رتبیل اور ابن اشعث کی بغاوتیں

سیستان کا ترک فرماں روا رتبیل

(رُتْ ب ی ل) اسلامی حکومت کے عارضی اضطراب کا سہارا لے کر باغی ہو بیٹھا۔ سیستان کے پرپیچ اور دشوار گزار کوہساروں میں بیرونی فوج کے لئے عہدہ برآ ہونا مشکل تھا اس لئے شروع میں اسلامی افواج نے بہت نقصان اٹھایا۔ اس سلسلہ میں تین مہیں بھیجی گئیں جن کا ذکر درج ذیل ہے۔

(۱) سجستان کے نائب والی عبداللہ بن امیہ نے ۷۸ ہجری میں سیستان پر حملہ کیا۔ رتبیل اہل اسلام سے مرعوب تھا۔ عبداللہ نے اس کے علاقہ میں جونہی قدم رکھے رتبیل نے صلح کے لیے سفیر بھیجا اور بہت بڑی رقم کی پیش کش کی۔ عبداللہ نے انکار کیا۔ رتبیل نے یہ چال کی کہ اس کے لئے رستہ کھلا چھوڑ دیا۔ عبداللہ فتح کے سرور میں بڑھتا گیا۔ رتبیل نے اس پر سب ناکے بند کر دیئے۔ عبداللہ نے رتبیل سے خواہش کی کہ اس کا رستہ کھول دیا جائے لیکن رتبیل نے مطالبہ کیا کہ تین لاکھ درہم نقد دو اور یہ عہد کرو کہ آئندہ ہمارے علاقہ پر چڑھائی نہ کرو گے۔ عبداللہ مان گیا۔ عبدالملک کو اس بات کی خبر لگی تو اسے معزول

کر دیا

(۲) اسلامی حکومت کی پہلی مہم اگرچہ ناکام رہی لیکن پھر بھی رتبیل اتنی عظیم سلطنت سے بگاڑ پیدا کرنے کی کھل کر جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خراج پیش کرتا رہا لیکن بارہا انکار بھی کر دیتا تھا۔
۷۹ ہجری میں حجاج نے سجستان کے والی عبید اللہ بن ابی بکرہ کو اس پر فوج کشی کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ جب تک اس کے ملک کو خوب غارت نہ کرو، قلعے مسمار نہ کر لو اور لوگوں کو اسیر نہ کر لو واپس نہ آنا۔ عبید اللہ نے کوفہ اور بصرہ کی افواج لے کر سیستان پر چڑھائی کی اور قتل و غارت کا بازار گرم دیا۔ رتبیل نے اسے بلا مقابلہ بڑھنے دیا عبید اللہ اس کے صدر مقام کے قریب جا پہنچا۔ رتبیل نے اب اس پر وادیاں اور گھاٹیاں بند کر دیں۔ اسلامی فوج کے اوسان خطا ہو گئے عبید اللہ نے رقم دے کر جان چھڑانا چاہی لیکن اس کے ایک سالار شریح بن ہانی نے اصرار کیا کہ شہادت کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔ عبید اللہ ماننے کو تیار نہ ہوا تو شریح نے اہل فوج کو پکارا کہ میرے ساتھ آکر شہادت میں حصّہ لو۔ صرف چند رضا کاروں نے لبیک کہا۔ شریح انہی کو لے کر دشمن کے لشکر میں گھس گیا۔ تقریباً سارا دستہ کام آ گیا۔ باقی فوج واپس ہوئی۔ جہاں جہاں سے گزرے علاقہ کے لوگ کھانے لے کر حاضر ہوئے۔ جس نے کھانا کھایا وہ عدم کو سدھارا ان کھانوں میں زہر تھا۔ اب لوگ محتاط ہو گئے اور بچی کھچی فوج خراب و خستہ واپس ہوئی [۱]

(۳) اس مہم کی ناکامی حجاج کے لیے بہت الم ناک تھی۔ اس نے

---

[۱] ابن اثیر۔

عبدالملک سے ایک بار پھر فوج کشی کی اجازت لی۔ ۸۰ ہجری میں کوفہ اور بصرہ سے چالیس ہزار کا لشکر تیار کیا۔ اس کو سامان حرب سے خوب لیس کیا اِن کی امارت عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کو سونپی۔ عبدالرحمٰن نے سجستان پہنچ کر لوگوں کو جہاد پر ابھارا اور مزید فوج بھرتی کر کے رتبیل کے علاقہ میں لاؤ لشکر کے ساتھ داخل ہوا رتبیل کو خبر لگی تو سفیر بھیج کر معذرت کی اور خراج کی پیش کش کی لیکن ابن اشعث نے نہ مانا۔

رتبیل نے ابن اشعث کے ساتھ بھی سابقہ مہموں کا داؤ کرنا چاہا لیکن ابن اشعث محتاط تھا۔ وہ سنبھل کر چلا۔ جو علاقہ یا قلعہ فتح کرتا وہاں ایک امیر مقرر کر دیتا اور اس کو ضرورت بھر فوج بھی دے دیتا۔ واپسی کے رستہ میں جگہ جگہ اس نے دستے مامور کر دئیے۔ تاکہ دشمن یہاں گھات نہ لگا سکیں۔ باغی علاقہ کو جی بھر کر تاراج کیا۔ اور فیصلہ کیا کہ اب پلٹ جانا چاہیئے۔ اگلے برس آکر رہی سہی کسر نکالیں گے۔ اس سال کی فتوحات سے فوج کا حوصلہ بڑھ جائے گا اور اس دوران علاقہ کی دیکھ بھال کر کے اس کے رستوں سے ہم خوب واقف ہو جائیں گے۔ اس نے حجاج کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ حجاج نے ابن اشعث کو سخت جواب دیا کہ تمہارا خط ایک ایسے آدمی کا خط ہے جو صلح کا خواہش مند ہے اور مصالحت کر کے جان چھڑانا چاہتا ہے اور جس نے قلیل اور ذلیل دشمن سے ساز باز کر لی ہے۔ فوراً بڑھو اور دشمن کو تباہ و برباد کرو۔ اس کے بعد اسی مضمون اور انداز کا ایک اور خط لکھا۔ پھر تیسرا خط لکھا کہ میرا حکم بجا لاؤ تو بہتر ورنہ کمان اپنے بھائی کے حوالے کر دو[1]

---

[1] ابن اثیر۔

عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کندہ کا سردار تھا۔ اس کی بہن میمونہ حجاج کے بیٹے محمد کے عقد میں تھی۔ عبدالرحمٰن عقل و خرد، مردانگی، فصاحت اور حُسن کی دولت سے مالا مال تھا۔ شروع میں اس کے تعلقات حجاج کے ساتھ بہت اچھے تھے لیکن بعد میں ان بن ہو گئی۔ حجاج کہا کرتا تھا کہ میں اسے جب بھی دیکھتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ اس کا سر اڑا دوں۔ ادھر ابن اشعث اس فکر میں تھا کہ حجاج کی حکومت کا تختہ الٹ دے۔

حجاج نے ابن اشعث کو اس مہم پر مجبوراً بھیجا تھا کیونکہ اور کوئی اہل آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے جب ابن اشعث کو امیر لشکر کیا تو اسے رائے بھی دی گئی کہ ابن اشعث تم سے بغاوت کرے گا اس لئے بہتر ہے اسے نہ بھیجو لیکن حجاج کو اپنے رعب و داب کا اتنا گھمنڈ تھا کہ وہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ابن اشعث اس کے مقابل اٹھنے کی جرأت کرے گا۔

ابن اشعث کے پاس حجاج کے پے در پے تین تلخ خطوط پہنچے تو اسے ناگوار گزرا۔ اس نے فوج کو جمع کر کے خطاب کیا کہ اے لوگو! میں تم سے خلوص رکھتا ہوں۔ تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ تمہارے بھائی اس علاقہ میں کل موت کی آغوش میں چلے گئے۔ میں جلد بازی کر کے تمہیں دشمن کے علاقہ میں ہلاک نہیں کرنا چاہتا لیکن حجاج مجھے کمزور گردانتا ہے اور کہتا ہے کہ دشمن کے علاقہ میں بے دریغ گھس جاؤ۔ میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ فوج نے کہا کہ ہم دشمنِ خدا حجاج کی بیعت توڑ کر تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ فیصلہ ہوا کہ پہلے عراق پر حملہ کر کے حجاج کو وہاں سے نکالا جائے۔

عبد الرحمٰن نے رُتبیل سے دوستانہ صلح کر لی اور فوج کو لے کر عراق کی طرف۔

عبد الرحمٰن کے اعلانِ بغاوت کو عوام نے بہت مسرت سے لبیک کہا۔ جوش و خروش سے اس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو گئے۔ گویا بند ٹوٹا اور بپھرا ہوا دریا پھوٹ بہا۔ حجاج کے ظلم و ستم سے عوام کا پیمانۂ صبر پہلے ہی لبریز تھا۔ اب ان دنوں اس نے تازہ تجربہ کیا تھا کہ ملک کا خراج بڑھانے کے لئے نو مسلموں پر جزیہ لگایا تھا اور انہیں شہروں سے نکل کر دیہات میں آباد ہونے کا حکم دیا تھا۔ یہ لوگ شہر سے نکلے تو حیران و درماندہ تھے کہ کدھر کو جائیں۔ ناچار روتے تھے اور حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فریاد کرتے تھے۔

وقت کے بڑے بڑے ائمہ مثلاً امام شعبی اور سعید بن جُبیر نے حجاج کے خلاف فتوے دیئے اور عوام کے جذبات میں حجاج کے خلاف ایک تلاطم برپا ہو گیا۔

اہل عراق کی ناراضی کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ ان پر شامی فوج کو فوقیت حاصل تھی۔ شامیوں کی تنخواہیں زیادہ تھیں۔

عبد الرحمٰن کے پیروؤں نے پہلے صرف حجاج کی بیعت توڑ دی تھی لیکن اب حجاج کے پناہ دہندہ عبدالملک کی بیعت بھی فسخ کر دی۔

حجاج نے عبدالملک کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور کمک مانگی عبدالملک نے فوج بھیج دی لیکن ان کا رستہ میں بچ کر حجاج کے پاس سالم پہنچنا مشکل تھا۔ اس لیے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیوں میں مسافرانہ انداز سے یزید کے ساتھ آ گئے۔

عبد الرحمٰن اور حجاج کے درمیان کئی معرکے ہوئے۔ عبد الرحمٰن نے بصرہ فتح کر لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہزیمت اٹھائی۔ کوفہ کا رخ کیا اور

اس پر قابض ہو گیا۔ کوفہ کے قریب دیر جماجم کے مقام پر متواتر معرکے ہوئے لیکن نتیجہ خیز نہ تھے۔ ان ایام میں عبدالرحمٰن کے ہمراہ ۲ لاکھ فوج تھی۔ یہ ۸۲ ہجری کا واقعہ ہے۔

عبدالملک عراقیوں کے آگے جھکنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ اگر تم اطاعت کر لو تو حجاج کو معزول کر دوں گا۔ تمہاری تنخواہیں شامی تنخواہوں کے برابر ہو جائیں گی اور ابن اشعث جس علاقہ کی حکومت چاہے گا عمر بھر کے لیے دے دوں گا۔ ابن اشعث اس پیش کش کو قبول کرنے کے حق میں تھا۔ لیکن فوج نے انکار کر دیا۔

حجاج اور ابن اشعث کے درمیان پھر جنگوں کا ایک طویل سلسلہ چھڑ گیا۔ حجاجی فوج میں رسد کی کمی کا یہ حال تھا کہ گویا محصور تھے۔ لیکن بالآخر حجاج کا عزم عراقیوں کے انبوہ پر غالب آیا۔ عبدالرحمٰن نے بصرہ کا رخ کیا اور ۱۵ روزہ کی جنگ کے بعد ہزیمت اٹھاتا ہوا زنبیل کے علاقہ میں چلا گیا۔

عبدالرحمٰن کو زنبیل کی دوستی کا بھروسہ تھا۔ زنبیل اس سے وفا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن حجاج کی ہیبت اتنی مسلط ہو چکی تھی کہ زنبیل کو اپنی فکر پڑ گئی۔ حجاج نے اسے پیغام بھیجے کہ ابن اشعث کو میرے حوالے کر دو ورنہ میرے شاہسوار تمہاری سرزمین کو روند ڈالیں گے۔ زنبیل نے ۸۵ ہجری میں اپنے بدنصیب مہمان کا سر حجاج کے پاس بھیج دیا۔

عراق کی یہ ہمہ گیر بغاوت ایک طویل عرصہ تک رہی بے شمار جانوں کا زیاں ہوا۔ یہی ایک واقعہ حجاج کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن وہ ایسی خو لایا تھا جسے دنیا کا کوئی انقلاب نہیں بدل سکتا تھا اس کو خون کی اور چاٹ لگی۔ حریفوں سے چن چن کر بدلے لئے۔

حضرت سعید بن جبیر ۹۴ ہجری میں بعہدِ ولید گرفتار ہو کر اس کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے بے دردی سے ان کی گردن کٹوا دی۔

ماوراء النہر

مہلب بن ابی صفرہ نے ۸۰ ہجری میں نہر بلخ (جیحوں) کو عبور کیا اور کش اور ختل کے علاقے فتح کیے۔ دو برس بعد یہاں سے واپس لوٹا تو رستہ میں مرو کے مقام پر وفات پائی۔ وہ اپنے بیٹے یزید کو جانشین کر گیا۔ حجاج نے اس تقرر کو منظور کر لیا۔ دو برس بعد ۸۴ ہجری میں ترکوں سے پھر چپقلش ہوئی۔ یزید نے بادغیس کے ترکی سردار نیزک سے اس کا قلعہ چھین لیا۔ یہ قلعہ اتنا مضبوط تھا۔ کہ نیزک جب اسے دیکھتا تو سجدہ کرتا تھا۔ اگلے برس یزید کے جانشین مفضل نے بادغیس کا سارا علاقہ زیرنگیں کر لیا اور شومان تک جا پہنچا[1]

رومی محاذ

عبدالملک نے ۷۰ ہجری میں قیصر روم کی پیش قدمی کو خراج کے وعدہ سے ٹالا تھا۔ اگلے برس پھر جنگ چھڑ گئی۔ مسلمانوں نے قیساریہ واپس لے لیا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً معرکے ہوتے رہے۔ ۷۹ ہجری میں رومیوں نے انطاکیہ پر حملہ کر کے قبضہ جما لیا۔ مسلمانوں نے ۸۴ ہجری میں ان سے انتقام لیا اور مصیصہ کا شہر فتح کر لیا[2]

بحیرۂ روم کی فتوحات

عبدالملک کے عہد میں بحیرہ روم میں سسلی اور صقلیہ کے جزیرے فتح ہوئے[3]

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر [3] الامامۃ والسیاسۃ

ولی عہدی

مروان نے عبد الملک کے بعد اپنے دوسرے بیٹے عبد العزیز کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔ عبد الملک نے عبد العزیز کا نام ہٹا کر اپنے بیٹوں کو جانشین کرنا چاہا لیکن سمجھانے بجھانے پر یہ ارادہ چھوڑ دیا۔ آخر عبد العزیز کی ناگہانی موت نے اس کا ہاتھ بٹایا۔ اس نے ولید اور سلیمان کی ولی عہدی کا اعلان کیا اور ان کے لئے بیعت حاصل کر لی۔

حضرت سعید بن المسیب تابعی نے مدینہ میں ولید اور سلیمان کی بیعت سے انکار کیا اور کہا کہ ایک خلیفہ کی زندگی میں ہم دوسرے خلیفہ کی بیعت نہیں کریں گے۔ عبد الملک کا بیٹا ہشام یہاں گورنر تھا۔ اس نے حضرت سعید پر سختی کی اور انہیں کوڑے پڑوائے۔ تاہم وہ اپنے مؤقف سے نہ ہٹے[1]

وفات

عبد الملک نے ۱۵ شوال ۸۶ ہجری کو وفات پائی اور دمشق میں دفن ہوا۔ مرنے سے پہلے اس نے اولاد کو وصیت کی کہ حجاج کی تکریم کرنا۔ اس نے ملک تمہارے زیر نگیں کیے ہیں اور اعداء کی گردنیں جھکا دی ہیں[2]

اوصاف و اخلاق

عبد الملک کو علم و فضیلت میں بہرۂ وافر ملا تھا۔ ملک داری کی مصروفیتوں نے اسے گھیر نہ لیا ہوتا تو اس کا شمار دنیا کے علم کے ممتاز تاجداروں میں ہوتا۔ قرآن خوانی کا بہت دل دادہ تھا۔ جس وقت اسے خلافت کا مژدہ ملا اس وقت قرآن حکیم گود میں رکھے تلاوت میں مصروف تھا۔ اسے بند کر کے کہا هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ (لو میرے

---

[1] ابن اثیر　[2] ابن اثیر۔

اور تمہارے درمیان جدائی ہے) یعنی اب آئندہ قرآن خوانی کے لئے پہلا سا وقت نکالنا مشکل ہو گا۔

عبدالملک ایک بلند حوصلہ، ذہین و فطین اور معاملہ فہم حکمران تھا وہ ایک بہت مدبر سیاست دان تھا۔ جس وقت تخت پر بیٹھا اس کے پاس فقط مصر و شام کے صوبے تھے لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور درجہ بدرجہ کل عالم اسلامی کی زمام سنبھالی۔

عبدالملک جب اہل شام کا لشکر لے کر عراق کی طرف روانہ ہوا تو رستہ میں ایک رات نہایت دہشت ناک خبریں ملیں۔ لیکن عبدالملک جیسا اس رات خنداں و شگفتہ تھا ویسا کبھی نہ تھا۔[1]

بنو امیہ کی حیلہ جوئی اُسے ورثہ میں ملی تھی۔ اس نے حیلہ سے عمرو بن سعید کا کام تمام کیا اور مصعب بن زبیرؓ کی فوج کے ایک کثیر حصہ پر فسوں کر کے عین ہنگامۂ کارزار میں اپنی طرف کھینچ لیا۔

عبدالملک طبعاً برا نہ تھا۔ اگر وہ حجاج بن یوسف کو رعیت پر مسلط نہ کرتا تو ایک محبوب بادشاہ ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حجاج نے جب خادمِ رسولؐ جناب انسؓ بن مالک سے گستاخانہ سلوک کیا تو ان کی شکایت پر عبدالملک نے طیش میں آ کر حجاج کو ایک تہدید آمیز خط لکھا اور حکم دیا کہ پیدل جا کر ان سے معافی مانگو۔ اسی طرح جب مدینہ کے حاکم نے حضرت سعید بن المسیب کے ساتھ سختی کی تو اسے بھی ایک سخت خط لکھ کر ڈانٹا لیکن حق یہ ہے کہ کاغذ کے یہ دو بے اثر پرزے　　تاریخ کی بے لاگ عدالت میں اسے

---

[1] ہم نے یہ روایت مسعودی سے باختصار لی ہے۔ اس نے خبروں کی جو نوعیت بتائی ہے۔ ان میں بعض تاریخی اعتبار سے درست نظر نہیں آتیں۔

امراء کے مظالم سے بمشکل بری کرا سکیں گے۔

سیاستِ ملوکانہ کے تقاضے نہ ہوتے تو عبدالملک کا دامن بے داغ ہوتا اس کے ذاتی کردار میں بعض نہایت دلفریب جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ وہ مظلوموں اور دکھیوں کے احوال سن کر زار و قطار رویا تھا۔ بارہا خوفِ خداوندی سے لرزاں دیکھا گیا۔ ایک دفعہ برسرِ منبر رو کر کہا، اے اللہ تعالیٰ میرے گناہ عظیم ہیں لیکن تیرا ادنیٰ عفو بھی ان سے عظیم تر ہے۔ اے اللہ! اپنے قلیل عفو کے ساتھ میرے گناہوں کو مٹا ڈال۔ حسن بصری تک یہ الفاظ پہنچے تو انہوں نے آبدیدہ ہو کر کہا، اگر کوئی کلام حروفِ زریں میں لکھنا ہو تو میں یہ الفاظ لکھوں۔ ایک بار عبدالملک سے کسی نے پوچھا، کون آدمی افضل ہوتا ہے؟ جواب دیا، جس نے بالادستی کے وقت انکسار کیا، صاحبِ مقدرت ہو کر زہد اختیار کیا اور قوت کے وقت انتقام سے درگزر کیا[1]

ایک دفعہ اس کے ہاتھ سے ایک فلس (پیسہ کے برابر سکہ) گندے کنوئیں میں گر پڑا۔ اس نے تیرہ دینار (اشرفیاں) خرچ کر کے نکلوایا۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ فلس پر اللہ عزوجل کا نام ہے[2]

عبدالملک کے عہد پر تبصرہ

نظامِ حکومت عبدالملک نے سب حریفوں کو میدان سے ہٹا کر بلا شرکتِ غیرے مملکتِ اسلامیہ پر حکومت

---

[1] ابن کثیر [2] ابن کثیر۔

قائم کر لی اور اس کا نظام مستحکم کیا۔ اموی حکومت کے اوّلین بانی حضرت معاویہؓ ہیں لیکن ان کے پوتے کے بعد اس حکومت کے قدم بالکل اکھڑ گئے تھے۔ مروان نے نئے سرے سے اس کی طرح ڈالی۔ لیکن وہ اپنا کام بالکل ادھورا چھوڑ گیا تھا۔ عبدالملک کو دولتِ امویہ کا بانیِ ثانی کہیں تو بجا ہوگا۔ اس کے بعد سیاسی پالیسی بجائے حضرت معاویہؓ کے زیادہ تر اسی کے انداز پر رہی۔

نظم و ضبط:۔ عبدالملک کا طرزِ حکومت اور نظام کار کم و بیش وہی تھا جو حضرت معاویہؓ کے عہد میں تھا۔ ایک نمایاں فرق البتہ یہ تھا کہ لوگ جس آزادی سے حضرت معاویہؓ بلکہ بعد کے حکمرانوں کو بھی مخاطب کرتے تھے عبدالملک نے اس کی بندش کر دی اور حکم دیا کہ میرے حکم کے جواب میں زبان نہ ہلاؤ۔ اگرچہ عبدالملک کی عام روش معتدل تھی لیکن دربار کے اجلاس میں وہ اپنے رعب و داب کی کمی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے نئے سرے سے حکومت قائم کی تھی۔ اس لئے قانون اور نظم و ضبط کے معاملہ میں سخت تھا۔ بنو امیہ میں وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے مظلوموں کی فریاد سننے کے لئے ایک الگ دن متعین کیا[1] امن دشمن عناصر کی اس سے بہت ہمت شکنی ہوئی۔ یہ اس قدر پسندیدہ اقدام تھا کہ بعد میں بھی جاری رہا۔ عباسی دور میں خلیفہ مہتدی تک اس پر عمل ہوتا رہا۔

عبدالملک سے پہلے عمّال بہت خود سر ہو گئے تھے۔ رشوت خوری عام تھی۔ عبدالملک نے عمّال کے خلاف تحقیقات کی اور رشوت کا مال اگلوایا۔

---

[1] ماوردی احکام السلطانیہ

دفتری بندوبست: ۔ حضرتِ معاویہؓ کے عہد میں جو محکمے قائم تھے ان کو کامل تر کیا ۔ برید کو اور وسعت دی ۔

عبدالملک نے دفتری نظام میں بہت اصلاحیں کیں ۔ دفتری اصلاحات کے سلسلہ میں عبدالملک کا یہ ممتاز کارنامہ ہے کہ اس نے کل صوبوں میں دفاتر کو عربی میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا ۔ اس سے قبل عجم، شام اور مصر کے دفاتر مقامی زبانوں میں تھے ۔ مردم شماری اور وظائف کے کاغذات عربی میں ہوتے تھے اور مالیات کے مقامی زبان میں عبدالملک نے عربی کو واحد زبان قرار دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ حاکمانہ مناصب عربوں کے پاس تھے ۔ لیکن دفاتر کی کارندگی مقامی عملہ کے ذمے ہوتی تھی ۔ ان میں کئی غیر مسلم بھی تھے ۔ عرب حاکم مقامی زبانوں سے نابلد ہونے کی وجہ سے دفتری دنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے ۔ اس لئے بدعنوانیاں ہو جاتی تھیں ۔ عبدالملک نے ان کے سدباب کی یہ تجویز کی کہ سب دفاتر میں عربی زبان رائج کی جائے ۔ ان دنوں عراق حجاج بن یوسف کے تحت تھا ۔ اس نے اس کام کی نگرانی کی اور صالح کاتب کے ذمے یہ خدمت سپرد کی اہل عجم نے صالح کو ایک لاکھ درہم کی پیش کش کی اور کہا کہ تم اس کام سے معذوری کا اظہار کر دو ۔ صالح نہ مانا اور اس مشکل کام کو آسان کر کے دم لیا[1]

شام اور مصر کے دفاتر پر عربی کا قبضہ کب ہوا؟ اس بارہ میں اختلاف ہے ۔ مصر کے دفاتر میں عربی کا دخل غالباً ولید کے زمانہ

---

[1] ابن اثیر ۔ ابن الندیم ۔ بلاذری ۔ جہشیاری کتاب الوزرا و ص ۳۸ م اعلان التوبیخ سخاوی ۔

میں ہوا اور شامی دفاتر میں غالباً ہشامؓ کے عہد میں لیکن اس کارنامہ کی ابتداء کا سہرا بہرحال عبدالملک کے سر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کی ابتداء سب صوبوں میں عبدالملک کے حکم سے ہوئی اور فارسی دفاتر تو یقیناً اس کی زندگی ہی میں عربی میں منتقل ہو گئے۔

عربی زبان کے دفاتر پر چھا جانے سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ عربی کی اشاعت بڑھی اور دوسرے یہ کہ سرکاری زبان ایک ہو گئی۔ سرکاری زبان کے ایک ہونے سے مختلف صوبوں کے درمیان ربط اور یک جہتی بہت تیزی سے بڑھنے لگی لیکن اس کے کچھ نقصانات بھی تھے۔ مثلاً بعض مقامی لوگوں کو رنجش ہوئی کہ ان کی مادری زبان کی بے قدری ہوئی ہے۔ مالیات کے دفاتر میں جو مقامی ملازمین تھے ان کی کمائی جاتی رہی۔

مالیات :۔ عبدالملک کے عہد کا غالب حصہ جنگ و جدل میں گزرا۔ اس لئے خزانہ پر بہت بوجھ رہا۔ عبدالملک جیسا مدبر شخص ادھر سے بے فکر نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اخراجات کے معاملہ میں اتنا محتاط تھا کہ اس کا نام رشح الحجارۃ (پتھروں کا پسینہ) پڑ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا کنجوس خلیفہ تھا[۱] اس کے عہد میں خزانہ بھرنے پر اس قدر توجہ تھی کہ نومسلموں پر جزیہ لگایا گیا۔ حجاج نے اتنی شدت کی کہ عراق کی مالی حالت انتہا خراب ہو گئی۔

مالیات کے سلسلہ میں عبدالملک نے جو اصلاحات کیں ان میں ایک نمایاں اصلاح ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ اس نے مالیات کے دفتر

---

[۱] دیکھو النجوم الظاہرہ اور رسائل شبلی [۲] ابن اثیر

عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ دوسری اصلاح اسلامی سکے کی ٹکسال قائم کرنا ہے۔ اسلامی ممالک میں پہلے رومی سکہ رائج تھا۔ عبدالملک کا قاعدہ تھا کہ مکاتیب میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کا سرنامہ لکھواتا تھا۔ قیصرِ روم نے اعتراض کیا اور کہا کہ اگر تم اپنے خطوط میں یہ الفاظ لکھوانا نہ چھوڑ دگے تو ہم بھی اپنے سکوں پر ایسی تحریریں کندہ کرائیں گے جنہیں تم ناپسند کرو گے۔ عبدالملک نے اس دھمکی کا یہ جواب دیا کہ رومی سکہ خلافِ قانون قرار دیا اور ۷۶ ہجری میں درہم و دینار کی ٹکسال قائم کی[1] سب سے پہلے عراق میں حجاج کے زیرِ اہتمام ٹکسال بنی اور اس کے بعد دیگر ولایات میں۔ جو لوگ اپنے طور سے سکے ڈھالتے تھے انہیں کڑی سزا ملتی تھی[2]

پہلے درہموں کا وزن ایک نہیں تھا۔ عبدالملک نے ۵ مثقال وزن مقرر کیا[3]

ان اصلاحات سے کئی فائدے مرتب ہوئے۔ مثلاً غیر سکوں پہ بھروسہ رکھنے میں یہ خرابی تھی کہ ایک لحاظ سے اغیار کا اقتصادی دباؤ قائم تھا۔ وہ اپنی مرضی سے سکوں کے وزن میں کمی بیشی کر سکتے تھے اور ملاوٹ کر کے مسلمانوں کو گھاٹا دے سکتے تھے۔ اندرونِ ملک میں بھی بعض عیار لوگ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ عبدالملک نے فریب کاری کے یہ سب رخنے بند کر دیے۔

---

[1] ابن اثیر۔ بلاذری۔

[2] خضری

[3] ماوردی باب السابع صہ ۱۶۸۔

زراعت

عبدالملک کے عہد میں عراق کے علاقہ میں زراعت کی طرف بہت توجہ ہوئی۔ لیکن حجاج کے مظالم اور مسلسل رزم آرائی کی وجہ سے زیادہ فائدہ نہ ہوا۔ حجاج نے کئی نہریں کھدوائیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک صاحب سعد بن عمرو نے ایک نہر کی کھدائی کا آغاز کرایا تھا۔ راہ میں چٹان آگئی تو اسے ادھورا چھوڑ دیا۔ حجاج نے اس کی تکمیل کرائی۔ اس کا نام بانیٔ اول کے نام سے نہر سعد بن عمرو ہی رہا[1]

حجاج نے اور بھی کئی نہریں کھدوائیں۔ مثلاً نہر الصین، نہر النیل نہر الزابی وغیرہ[2]

متفرق کارنامے

۱۔ عبدالملک نے حضرت سعید بن جبیر سے قرآن حکیم کی تفسیر لکھوائی[3]

۲۔ جامع اقصیٰ کی تعمیر:۔ عبدالملک نے بیت المقدس میں صخرہ پر ایک قبہ بنوایا۔ رخام کے پتھر استعمال کیے اور ایک عالی شان عمارت تعمیر ہوئی۔ اس میں جواہرات اور نگینے جڑوائے[4]

۳۔ شہروں کی آبادی

(۱) واسط:۔ عبدالرحمٰن بن اشعث کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے حجاج نے شام سے فوج منگوائی۔ اسے عراقی آبادی سے دور رکھنے کے لئے ایک نئی چھاؤنی کی ضرورت ہوئی۔ حجاج نے اس مقصد سے ۸۳ ہجری میں واسط کا شہر آباد کیا[5] حجاج

---

[1] بلاذری ص ۲۸۴، [2] بلاذری ص ۲۹۰ [3] میزان الاعتدال ذہبی ذکر عطاء بن دینار [4] ابن کثیر ج ۹ ص ۶۲، ۳۰ [5] ابن اثیر۔

نے یہاں ایک سبز گنبد بنوایا جس کا بہت شہرہ تھا۔ یہ گنبد مدت تک قائم رہا[1]

ب۔ مدینۃ الفیل: یہ شہر بھی حجاج نے بسایا[2]

۳۔ سرحدی تحفظات:۔ عبد الملک نے شامی سرحدوں کو مضبوط کیا۔ مصیصہ کا قلعہ از سرِ نو تعمیر کیا اور اس میں سپاہ آباد کی[3]

مکہ میں بند کی تعمیر:۔ ۸۰ ہجری میں مکہ میں ایک عظیم سیلاب آیا جس نے کعبہ کو گھیر لیا اور کئی حاجیوں کو بہا کر لے گیا۔ عبد الملک نے ایک نصرانی انجینئر کو بھیج کر سیلاب کے انسداد کے لئے ایک مضبوط بند بندھوایا۔ ہر کوچہ کے دہانہ پر ایک بند کی تعمیر کی نشیبی مکانوں اور مسجدِ حرام کی پختگی کی خاطر پشتے بنوائے گئے[4]

کعبہ کی تعمیرِ نو

کعبہ کی عمارت کی کچھ جگہ اپنی اصل بنیادوں پر نہیں تھی کیونکہ اسلام سے قبل جب قریش نے اس کی از سرِ نو تعمیر کی تو خرچ کی کمی کی وجہ سے عمارت کو کچھ تنگ کر دیا تھا اس کے علاوہ دروازہ کو انہوں نے اصل سطح سے اوپر رکھا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ درستی کر دی جائے لیکن مصلحتِ وقت دیکھ کر ارادہ چھوڑ دیا[5]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت کے دوران کعبہ کی عمارت کو اصل بنیادوں کو بحال کیا۔ عبد الملک کی باری آئی تو اس نے اسے گرا کر دوبارہ عہدِ نبوی کی بنیادوں پر بنوایا۔

---

[1] مسعودی ذکر منصور [2] بلاذری صہ ۲۹ [3] فتوح البلدان [4] فتوح البلدان صہ ۵۴ [5] صحیح مسلم کتاب الحج ۴۔۔۔۱۰

کعبہ کی تاریخ کے نقطۂ نگاہ سے یہ ایک اہم واقعہ ضرور ہے۔ لیکن ہم اسے عبد الملک کا کوئی کارنامہ شمار نہیں کر سکتے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

قرآن حکیم کے اعراب کو حجاج بن یوسف اور اس کے ذریعے عبدالملک سے منسوب کرنا درست نہیں۔ یہ خدمت حضرت علیؓ کے شاگرد ابو الاسود دؤلی اور ان کے شاگردوں نصر بن عاصم اور یحییٰ بن یعمرؒ نے انجام دی۔ اعراب کو آخری اور موجودہ شکل عباسی عہد میں ملی۔

ولید بن عبدالملک

۸۶ھ تا ۹۶ھ

۷۰۵ء تا ۷۱۳ء

عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید جانشین ہوا - ولید کو ایک وسیع، مستحکم، اور بے شورش مملکت ورثہ میں ملی، وہ اپنے باپ کے برعکس علم سے بالکل کورا تھا - عربی بھی صحیح نہیں بول سکتا تھا لیکن جہانداری کے فن میں صاحبِ کمال تھا -

قتیبہ اور وسطِ ایشیا کی فتوحات

ماوراء النہر (جیحون پار یا وسط ایشیا) کا علاقہ کوہستانی، سنگلاخ اور پیچ در پیچ ہے - ان دنوں یہ سرزمین متعدد مقامی حکمرانوں پر بٹی ہوئی تھی - انہوں نے اسلامی حکومت کا اقتدار قبول کر لیا تھا - ان کے علاقوں میں جو مسلمان آباد تھے ان کے امور کی نگہداشت کی خاطر والیِ خراسان کی طرف سے عمال

مقرر تھے [1]

ولید کے تخت نشین ہوتے ہی حجاج بن یوسف نے یزید بن مہلب کی جگہ قتیبہ کو خراسان کا والی بنایا۔ ماوراء النہر پر یزید کا بہت دبدبہ تھا۔ اس کی معزولی پر یہاں کے باشندوں نے جگہ جگہ بغاوت کر دی۔ ان کی گوشمالی پر قتیبہ بن مسلم مامور ہوا۔ اس کے کارناموں کی روداد درج ذیل ہے۔

ترکستان

۸۶ ہجری میں قتیبہ بن مسلم بلخ کے قریب پہنچا۔ دہقان تحائف لے کر حاضر ہوئے۔ دریا کو عبور کیا تو صغانیاں کے بادشاہ نے پیشوائی کی اور سونے کی چابیاں پیش کیں۔ اور آگے بڑھا تو شومان وغیرہ کے بادشاہ اطاعت کے لئے حاضر ہوئے۔ قتیبہ طخارستان اور صغانیاں کے سب صوبوں کو بغیر خون ریزی کے زیر کر کے واپس آیا اور مرو میں مقام کیا۔ اس کے بھائی صالح نے فرغانہ تک کا علاقہ سر کر لیا۔ ۸۷ ہجری میں بادغیس کے امیر نیزک طرخان نے مصالحت کی۔ اس کے پاس جو مسلمان قیدی تھے واپس کر دیئے۔

۸۷ ہجری میں قتیبہ نے بیکند کے شہر پر حملہ کیا۔ آس پاس کے ترک بیکند والوں کی مدد کو آئے اور تمام راہیں بند کر دیں۔ دو ماہ تک قتیبہ ان کے پھندے میں پڑا رہا اور اس کی کوئی خبر نہ آئی۔ آخر اس نے جان پر کھیل کر بیکند کو فتح کیا اور صلح کر لی۔ واپس ہوا تو بیکند والوں نے مسلمان عامل اور اس کے ساتھیوں کو مار ڈالا۔ قتیبہ نے دوبارہ لشکر کشی کی اور دشمن کی سب سپاہ کو تہ تیغ کر دیا۔

---

[1] ہسٹری آف سیراسنز سید امیر علی

۸۸ ہجری میں خاقانِ چین کا بھانجا صُغد، اہلِ فرغانہ اور ترکوں کا دو لاکھ کا لشکر لے کر قتیبہ کے مقابلہ کو آیا اور شکست کھا گیا۔ اگلے برس قتیبہ نے دریا کو پار کیا۔ صُغد کے علاقے اور کش اور نسف وغیرہ کو زیر کر کے بخارا کو جا چھوا۔ لیکن وہاں سے ناکام واپس آیا۔ ۹۰ ہجری میں پھر بخارا پر فوج کشی کی۔ جنگ ہوئی تو اب کے بھی مسلمان دبنے لگے اور اپنے خیموں تک پسپا ہو گئے۔ مستورات نے رو رو کر غیرت دلائی۔ مجاہدین نے یک بارگی پلٹ کر ایسا ریلا کیا کہ اہلِ بخارا کے قدم اکھڑ گئے اور بھاگ کر دریا کی دوسری طرف جا پہنچے اہلِ اسلام کی مختصر سی جماعت نے دریا عبور کر کے ان سے جنگ کی اور بھاگنے کی راہ دکھائی۔[1]

نیزک قتیبہ کی روز افزوں کشور کشائیوں سے اندیشہ ناک ہوا اور بغاوت پر اتر آیا۔ اس نے کئی ترکی حکمرانوں کو بھی اکسایا۔ قتیبہ گوشمالی کو پہنچا تو ایک ایک ترک حکمران نے ہتھیار ڈال دیئے۔ نیزک ایک دشوار گھاٹی میں حفاظت سے بیٹھ گیا۔ قتیبہ کو اس کے محلہ تک پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ سخت متحیر ہوا۔ آخر ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا جس نے اسے قتیبہ کے پاس معافی چاہنے کو آمادہ کیا نیزک قتیبہ کے پاس خود حاضر ہوا اور معافی کی درخواست کی۔ اب وہ معافی کا حق دار نہ تھا۔ اس کی گردن مار دی گئی۔[2]

سمرقند یہاں کے باشندے صُغد کہلاتے تھے۔ ان کا اہلِ اسلام سے معاہدہ تھا لیکن انہوں نے خلاف ورزی کی اور قتیبہ کے خلاف کئی مہموں میں حصہ لیا۔ قتیبہ نے مجبوراً ۹۳ ہجری

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر

میں سمرقند پر حملہ کیا اور شہر کو گھیرے میں لے لیا۔ صغد کی درخواست پر ہمسایہ ممالک سے ملوک و امراء کے بیٹے گراں لشکر لے کر سمرقند والوں کی مدد پر روانہ ہوئے۔ ابھی وہ راہ میں تھے کہ قتیبہ کے بھائی صالح نے رات کے وقت ان سے جنگ کی۔ کئی شہزادے کام آئے اور ان کی فوج فرار ہو گئی۔

اہلِ سمرقند کو معلوم ہوا تو شکستہ دل ہوئے۔ مسلمانوں نے شہر کی فصیل میں شگاف ڈال دیا۔ ناچار اہلِ سمرقند نے ۲۲ لاکھ مثقال سونے کے سالانہ خراج کے عوض اطاعت کر لی۔

شہر میں بہت بڑے بڑے بت تھے۔ صُغد کا عقیدہ تھا کہ جو شخص ان پر دست درازی کرے گا ہلاک ہو جائے گا۔ قتیبہ نے انہیں آگ لگا دی۔

۹۴ ہجری میں قتیبہ نے فرغانہ تک کا علاقہ تسخیر کر لیا[1]۔

اطاعتِ چین

خاقانِ چین اہلِ ترکستان کا پشت پناہ تھا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف کمک بھیجتا تھا قتیبہ نے ۹۶ ہجری میں اس کی خبر لینے کا ارادہ کیا۔ فرغانہ سے ایک لشکر روانہ کیا جس نے چین کے سرحدی شہر کاشغر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ شاہِ چین نے لکھا کہ مذاکرات کے لئے سفیر بھیجو۔

قتیبہ نے دس آدمیوں کا ایک وفد ہُبیرہ کی قیادت میں روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہارے ملک کو پامال نہ کر دوں، تمہارے سلاطین پر مہریں نہ لگا لوں اور جزیہ وصول نہ کر لوں واپس نہ جاؤں گا۔ خاقانِ چین نے وفد سے کہا کہ تم نے

---

[1] ابن اثیر۔

میرے ملک کی وسعت اور میں نے تمہاری قلت دیکھ لی خیریت درکار ہے تو واپس چلے جاؤ۔ سفراء نے جواب دیا کہ وہ لوگ کیوں کر قلیل ہو سکتے ہیں جو تمہاری سرحد سے لے کر زیتون کے باغوں (یعنی سرزمین شام) تک پھیلے ہوئے ہیں۔ رہی تمہاری دھمکی تو ہم موت کے وقت کو مقرر جانتے ہیں اور قتل کو اشرف ترین موت سمجھتے ہیں۔ موت کو نہ ہم ناپسند کرتے ہیں اور نہ اس سے ڈرتے ہیں[1]

خاقان یہ جملے سن کر جی چھوڑ بیٹھا، خراج پیش کیا اور اہل اسلام کی بالادستی تسلیم کر لی[2]

محمد بن قاسم اور فتح سندھ

جزیرۂ یاقوت (سراندیپ) کے بادشاہ نے عراق کی طرف آٹھ بھری جہاز روانہ کیے۔ ان میں حجاج کے لئے قیمتی تحائف تھے ساتھ چند مسلمان خواتین بھی تھیں جو حج کی نیت سے جا رہی تھیں۔ ان کے علاوہ عرب کی چند یتیم لڑکیاں تھیں جن کے والدین تاجر تھے اور جزیرہ سراندیپ میں وفات پا چکے تھے۔ جہاز دیبل (کراچی) کے قریب پہنچے تو سندھ کے قزاقوں نے چھاپہ مارا، جہازوں کو لوٹا اور خواتین کو ساتھ لے گئے۔ ایک خاتون نے بلند آواز سے فریاد کی "یا حجاج!" حجاج کو خبر ملی تو اس نے پکار کر کہا یا لبیک۔ حجاج نے سندھ کے راجہ داہر کو لکھا کہ خواتین کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس نے جواب بھیجا کہ یہ کام بحری قزاقوں نے کیا ہے۔ جن پر میں قدرت نہیں رکھتا[3]

ناچار حجاج نے ولید کی اجازت حاصل کر کے سندھ پر چڑھائی کا فیصلہ کیا۔ پہلی دو مہمیں ناکام رہیں۔ اب اس نے ۹۰ ہجری میں اپنے

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر [3] فتوح البلدان بلاذری - فتح نامہ سندھ (چچ نامہ)

چچیرے بھائی اور داماد محمد بن قاسم حاکم فارس کو روانہ کیا۔ محمد بن قاسم کا سن صرف سترہ برس کا تھا لیکن مردانگی اور صلاحیت میں کسی سے کم نہ تھا۔ اس کے ساتھ چھ ہزار شامی فوج کے علاوہ مزید لشکر بھی تھا[1]

اس مہم کے لئے حجاج نے پوری تیاری کی۔ تاگے اور سوئی تک کا اہتمام کیا۔ سرکہ میں بھگو کر سکھائی ہوئی روئی تیار کی تاکہ ضرورت پڑے تو تر کر کے سرکہ نچوڑ لیا جائے اور پکانے کے کام آسکے[2]

اسلحہ اور آلاتِ جنگ وغیرہ سفینوں میں لاد کر سمندر کی راہ سے بھیجے۔ محمد بن قاسم نے خود خشکی کا سفر اختیار کیا۔ دیبل پہنچا تو سفینے بھی کنارے آلگے۔ دیبل کو محصور کر لیا۔ محمد بن قاسم اپنے ساتھ ایک بہت بڑی منجنیق لایا تھا۔ جس میں پانچ سو آدمی کام کرتے تھے۔ شہر میں ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اس پہ لکڑی کا ایک اونچا ستون تھا۔ اس کے سرے پر ایک بہت بڑا سرخ جھنڈا لہرا رہا تھا[3] اس پہ منجنیق سے سنگ باری کی گئی۔ ستون گر گیا۔ اہلِ شہر نے اسے بدشگونی سمجھا اور سراسیمہ ہو گئے۔ انہوں نے باہر نکل کر مقابلہ کیا لیکن ٹھہر نہ سکے اور دوبارہ محصور ہو گئے۔ مسلمان سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھے اور اندر داخل ہو گئے۔ داہر کا عامل بھاگ نکلا اور شہر فتح ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے یہاں ایک مسجد تعمیر کی اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد آباد کی[4] جن مسلمانوں کو جہازوں سے اسیر کیا گیا تھا ان میں سے اکثر یہاں سے ملے[5] راجہ داہر کی راجدھانی اندرون ملک میں تھی۔ محمد بن قاسم نے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری فتح نامۂ سندھ [2] بلاذری [3] بلاذری۔ ابن اثیر
[4] بلاذری۔ ابن اثیر [5] چچ نامہ

ادھر کا رُخ کیا۔ مقامی لوگوں کی کم حوصلگی اور باہمی افتراق نے نوجوان اور بلند اقبال فاتح کی راہ سہل کر دی۔ جو راجے جہاں راجے راہ میں پڑے وہ خود حاضر ہو کر فرمان کے بندے بن گئے۔ ابن قاسم نے نیرون (موجودہ حیدر آباد) اور اس کے گرد و نواح کے علاقے دیکھتے دیکھتے تسخیر کر لیے۔ چار ہزار جاٹ ابن قاسم کی فوج میں شامل ہو گئے اور کئی امراء اسلام لائے۔[1]

محمد بن قاسم نے دریا کے مغربی کنارے سفر جاری رکھا۔ راجہ داہر نے ایک فوج مقابلہ کے لیے بھیجی جو شرقی ساحل پہ تھی۔ محمد بن قاسم نے دریا عبور کرنا چاہا لیکن ہندوستانی فوج نے پل نہ باندھنے دیا۔ اسی انتظار میں ایک مدت گزر گئی۔ اسلامی فوج میں غلہ اور رسد کی بہت کمی ہو گئی۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ فوجیا ضرورت کے جانور ذبح کر کے کھانے پڑے۔ حجاج کو حالات معلوم ہوئے تو دو ہزار کی کمک بھیجی اور مناسب ہدایات روانہ کیں۔ محمد بن قاسم نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں پاٹ کم تھا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ کشتیوں کو جو مقامی امراء نے مہیا کی تھیں ایک پل کی شکل میں جوڑا۔ اس کا ایک سرا مغربی ساحل سے باندھا۔ کشتیوں میں سپاہ بٹھائی اور پل کو بہاؤ کے ساتھ چلایا تو دوسرا سرا مشرقی کنارے سے جا لگا۔ مجاہدین نے دشمن کے محافظ دستے پر تیروں کی بارش کر دی۔ وہ بھاگ نکلے۔ انہوں نے پل کو ساحل سے باندھا اور اتر کر غنیم کی فوج پر جا پڑے۔ فوج نے ہمت چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کی۔ ہلالی پرچم ہوائے مراد کے کندھوں پہ سوار بڑھتا چلا گیا۔ راستہ میں داہر کا بیٹا جیسیہ مزاحم ہوا

---

[1] ابن اثیر۔ بلاذری۔ چچ نامہ

لیکن اس کے قدم بھی ایسے اکھڑے کہ جم نہ سکے[1]

محمد بن قاسم نے جے پور میں خیمے لگائے۔ تقریباً ایک فرسنگ کی راہ پر داہر داد عیش دے رہا تھا۔ اس نے محمد بن قاسم کے خلاف یکے بعد دیگرے دو لشکر بھیجے مگر دونوں شکست کھا گئے۔ اب وہ خود ایک گراں لشکر لے کر مقابل ہوا۔ پیدل فوج کے علاوہ دس ہزار ایسی سپاہ اس کے ہمراہ تھی جو سرتاپا لوہے میں غرق تھی۔ ہاتھیوں کی صفیں الگ تھیں۔ دو روز جنگ ہوئی۔ دوسرے دن بہت خوفناک معرکہ ہوا۔ مجاہدین جانوں پر کھیل گئے۔ ہاتھیوں کا علاج یہ کیا کہ ان پر تیل کی آگ برسائی۔ داہر ایک سفید ہاتھی پر سوار تھا۔ اس کی عماری میں آگ لگ گئی۔ ہاتھی بھاگا اور دریا میں ڈبکی لگا کر پھر لوٹا۔ داہر بہادری کے جوہر دکھاتا ہوا مارا گیا۔ محمد بن قاسم نے اس کا سر کٹوا کر عراق بھیجا۔ داہر سوائے ایک کے باقی سب رانیوں کو ساتھ لایا تھا اور سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ میں مارا جاؤں تو ان کا کام تمام کر دینا تاکہ یہ مسلمانوں کے ہتھے نہ چڑھیں۔ ایک رانی نے کسی طرح جان بچالی۔ محمد بن قاسم نے اس سے نکاح کر لیا۔ اس کا نام لادی تھا[2]

داہر کی آخری رانی نے راور میں قلعہ بند ہو کر فاتحین سے قسمت آزمائی کی۔ جب بے آس ہو گئی تو مال و متاع جلا ڈالا اور کنیزوں سمیت ستی ہو گئی[3]

جیسیہ برہمن آباد میں ڈیرے لگائے مدافعت کے سامان کر رہا تھا۔ داہر کا وزیر سیاکر اس کے ہمراہ تھا۔ سیاکر بددل ہو کر محمد بن قاسم

---

[1] چچ نامہ۔ بلاذری نے داہر کے بیٹے کا نام جیسیہ لکھا ہے اور چچ نامہ کے مصنف نے جیسیہ [2] بلاذری چچ نامہ [3] ابن اثیر۔ بلاذری

سے آملا۔ وہ اپنے ہمراہ باقیماندہ مسلمان عورتوں کو بھی لایا جن کی پکار نے عرب شاہسواروں کو سندھ کی راہ سجھائی تھی۔ جلیسہ بھاگ نکلا۔ محمد بن قاسم نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ چھ ماہ بعد اہل شہر نے امان حاصل کر کے ہتھیار ڈال دیئے[1]

ابن قاسم شہر پہ شہر لیتا ملتان کے دروازے پر جا رکا۔ یہاں کے راجہ نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آخر شہر نشین ہو گیا۔ محاصرہ پر ایک طویل مدت گذر گئی۔ شہر میں رسد کی بہت قلت ہوئی لیکن محصورین نے ہمت نہ ہاری۔ شہر کے اندر ایک نہر جاتی تھی۔ محمد بن قاسم نے اسے بند کروا دیا۔ لوگ پیاس کے ہاتھوں مجبور ہو گئے تو امان لے کر ہتھیار ڈال دیئے[2]

ملتان بدھوں کا مقدس شہر تھا۔ یہاں بہت نذرانے آتے تھے۔ مسلمانوں کو اس جگہ بے شمار دولت ہاتھ آئی۔ آٹھ گز چوڑا اور دس گز لمبا ایک کمرہ تھا جو سونے سے بھرا تھا[3]۔ سالہا سال سے اس میں دولت جمع ہو رہی تھی گویا فاتحین کی امانت تھی جو انہوں نے واپس لے لی۔

محمد بن قاسم نے ملتان سے ایک دستہ قنوج کی طرف روانہ کیا[4]۔

محمد بن قاسم نے اہل سندھ کے ساتھ نہایت رواداری کا ثبوت دیا۔ اس کے حسن سلوک اور عدل و انصاف ہی کا اثر تھا کہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ داہر کے بڑے بڑے امراء نہ صرف محمد بن قاسم کے حامی ہوئے بلکہ ان میں سے اکثر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اخیر میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ ابن قاسم آگے بڑھتا اور مقامی

۱؎ چچ نامہ ۲؎ بلاذری۔ چچ نامہ ۳؎ ابن اثیر ۴؎ چچ نامہ۔

باشندے ڈھول اور قرنا بجاتے اور ناچتے اس کے استقبال کو آتے تھے۔

محمد بن قاسم نے رعیت نوازی اور عوام کی خبرگیری کی ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔ سیاکر کو اپنا وزیر اور مشیر بنایا۔ مالیات کا سابقہ نظام بحال رکھا اور ہندوؤں کو اس شعبہ میں مامور کیا۔ برہمنوں کا بہت احترام کیا۔ ان کی شان میں فرق نہ آنے دیا۔ انہیں شکستہ مندروں کی تعمیر کی اجازت دی اور ملازمتیں دیں۔ ان سے جو قدر عہد کیے تھے نبھائے۔

اسلامی فوج نے کوئی چھینا جھپٹی نہیں کی۔ سوائے جنگ جو آدمیوں کے کسی پہ ہاتھ نہیں اٹھایا۔ تبدیلِ مذہب میں قطعاً جبر نہیں کیا۔ جاگیریں بحال رکھیں اور ہندوؤں پر جزیہ عائد کیا[1]

رومی محاذ شام کی سرحدوں پر ہمیشہ روما کی نگاہِ حرص رہتی تھی۔ ولید نے رومی خطرہ کی پیش بندی کے لیے اپنے بھائی مسلمہ اور اس کے تحت اپنے بیٹے عباس کو مامور کیا۔ رومیوں کے ساتھ مسلسل معرکے رہے۔ شاید ہی کوئی سال خالی جاتا ہو۔ مسلمہ نے ۸۷ ہجری میں مصیصہ کا قلعہ لیا۔ اگلے برس طوانہ فتح کیا۔ اس کے بعد اور آگے بڑھا۔ اور یکے بعد دیگرے کئی شہر تسخیر کیے۔ ۹۴ ہجری میں انطاکیہ سر کیا اور اگلے سال ہرقلہ پہ پرچم لہرا دیا[2]

---

[1] محمد بن قاسم کے سلوک کے بارے میں چچ نامہ کے جستہ جستہ مقامات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

[2] ابن اثیر۔

موسیٰ بن نُصَیر

ولید نے ۸۹ ہجری میں افریقیہ کی ولایت حسّان بن نعمان کی جگہ موسیٰ بن نصیر کو سونپ دی۔ موسیٰ کے والد نصیر ایک عجمی غلام تھے جن کو خالد بن ولید نے گرفتار کیا تھا۔ نہایت قابل تھے۔ حضرتِ معاویہؓ کے عہد میں پولیس کے افسر ہوئے۔ حضرتِ معاویہؓ حضرتِ علیؓ سے جنگ کرنے کے لئے صِفّین کی طرف چلے تو نصیر نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرتِ معاویہؓ اس جوہر قابل کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس لئے اس بات کو دل میں جگہ نہ دی[1]

موسیٰ نے ۱۹ ہجری میں جزیرہ کے علاقہ میں ولادت پائی۔ موسیٰ حضرتِ معاویہؓ کے عہد میں بحری جنگوں کا قائد رہا[2] عبدالملک کے عہد میں افریقیہ کے ایک حصّہ کا حاکم تھا[3]

موسیٰ افریقیہ کا والی ہوا تو بربر نے خیال کیا کہ یہ نیا گورنر حسّان کی طرح ضبط نہیں رکھ سکے گا۔ انہوں نے شورش برپا کر دی۔ موسیٰ نے ان کے اندازوں کو غلط ثابت کیا اور افریقیہ کے اِس سرے سے اُس سرے تک بجلی کی طرح کوند گیا۔ ۸۹ ہجری میں ان کا دارالملک طنجہ فتح کیا اور مسلمانوں کی آبادی قائم کی۔ اس نے ایک ایک بربری کو امن و اطاعت کے آداب سکھائے۔ موسیٰ تلوار کا دھنی ہی نہ تھا بلکہ دعوتِ حق کا علمبردار بھی تھا۔ اس نے معلم اور مبلغ مامور کیے۔ جن کے بدولت افریقیہ میں نہایت تیزی سے اسلام کی تبلیغ ہوئی[4]

بربر کی لگاتار مخالفت کرنے کے تین سبب تھے، خوارج۔ رومی اور اہل

---

[1] مقری صہ ۱۷۱۔ ابن اثیر [2] النجوم الزاہرہ ۹۶ھ [3] اخبار الطوال دینوری ج ۱ صہ ۳۳۳ [4] مقری۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔

اندلس۔ موسیٰ نے رومی اثر و رسوخ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ ان کے آئے دن کے حملوں کے انسداد کے لیے میورقہ اور منورقہ کو فتح کر کے مملکتِ اسلام کا خود بنا لیا[1] اس نے سپین کو بھی زیرِ نگین کیا۔

فتح اندلس

اسباب

(۱) افریقیہ کے ساحلی علاقہ پر سپین کا قبضہ تھا۔ موسیٰ نے افریقیہ کا علاقہ تسخیر کیا تو سپینی مقبوضات بھی اس کے تصرف میں آگئے۔ ہشامِ اندلس کو اس بات کا رنج ہوا۔ بربر نے جب بغاوت کی تو اس نے جہازوں میں غلہ اور کمک بھیجی[2]

(۲) سپین کے سیاسی اور معاشی حالات ناگفتہ بہ تھے۔ سپین کا بادشاہ رذریق (راڈرک[3]) غاصب تھا۔ سابق بادشاہ غیطشہ (WITIZA) کے لڑکے چاہتے تھے کہ کسی طرح اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے[4] ان کا سپین میں خاصا اثر تھا جو اندر ہی اندر راڈرک کے خلاف کام کر رہا تھا۔

(۳) سپین کے مظلوم یہود بھاگ کر افریقیہ میں پناہ لیتے تھے۔ انہوں نے طارق کے حملہ سے سترہ برس قبل سپین کی عیسائی حکومت کے خلاف ایک پرزور تحریک چلائی تھی[5]۔ عین ممکن ہے کہ انہوں نے موسیٰ بن نصیر کو حملہ کی ترغیب دی ہو۔

(۴) راڈرک اخلاقاً بہت گرا ہوا تھا۔ اس وقت کے یورپ کے دستور کے موافق اس کے محل میں امراء کی لڑکیاں زیرِ تربیت تھیں۔ ان

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ۸۹ھ [2] نجوم الزاہرہ [3] مقری ص ۱۶۲، ۱۶۳ [4] RODERIC [5] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (مقالہ سپین)

میں ایک امیر جولین نام کی تاکتخدا لڑکی بھی تھی۔ جولین افریقیہ کی اندلسی ولایت سبتہ (CEUTA) کا گورنر تھا۔ راڈرک نے اس کی بیٹی کی عصمت لوٹ لی۔ اس نے باپ سے شکایت کی۔ جولین غصہ سے بے تاب ہو گیا لیکن مجبور تھا۔ بطور خود بادشاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ موسیٰ کے پاس آیا۔ سپین کے حالات اور دفاع کی خامیوں سے آگاہ کر کے اسے فتح کا یقین دلایا[1] جولین کی پشت پر غیطشہ کے لڑکے بھی تھے کیونکہ وہ غیطشہ کا داماد تھا۔

موسیٰ نے ولید سے اجازت طلب کی۔ اس نے لکھا کہ اہل اسلام کو ہولناک سمندر میں نہ ڈالو۔ موسیٰ نے جواب دیا کہ ہمارے درمیان کوئی وسیع سمندر نہیں بلکہ خلیج سی ہے جس کے پار کا علاقہ ادھر سے نظر آتا ہے۔ ولید نے حکم دیا کہ دستے بھیج کر پہلے حالات کی تحقیق کر لو[2]

واقعات:۔ موسیٰ نے سب سے پہلے ۹۱ ہجری میں طریف کو جولین کے ہمراہ روانہ کیا کہ سپین کے حالات بچشم خود دیکھے۔ اہل سپین کی طاقت کا اندازہ کرے اور اس بات کا مشاہدہ کر لے کہ جولین واقعی وفادار ہے۔ طریف چار سو پیدل اور ایک سو اسپ سوار لشکر کے ہمراہ روانہ ہوا۔ سپین کے اخبار و کوائف فراہم کیے۔ اہل سپین سے جنگ آزمائی کی اور مال غنیمت لے کر لوٹا۔ اس کے بعد موسیٰ نے مزید تحقیق کے لیے ایک ہزار کا لشکر ابو زرعہ کے تحت روانہ کیا۔ وہ ساحلی علاقہ کو پامال کر کے کامران واپس آیا[3]

موسیٰ نے مہم کی مکمل تیاری کی اور اپنے تربیت یافتہ غلام طارق

---

[1] مقری - ابن اثیر [2] انسائیکلوپیڈیا (مقالہ سپین) [3] ابن اثیر

[3] ابن اثیر - مقری -

کو رجب ۹۲ ہجری میں سات ہزار بربر اور تین سو عرب فوج کی معیت میں سپین پر روانہ کیا[1]

طارق کے اوائل زندگی کے بارے میں صحیح معلومات میسر نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ فارس کا رہنے والا تھا۔ لیکن بربر اسے اپنا ہم قوم بتاتے ہیں[2]

طارق کی مہم کے لئے جہاز جولین نے فراہم کیے[3] طارق نے ساحل سے چل کر پہلا پڑاؤ سمندر کے وسط میں ایک پہاڑی پر کیا جو اس کے نام سے آج تک جبلُ الطارق (جبرالٹر) کہلاتی ہے۔ پھر آگے بڑھ کر سپین کے ساحل پہ اترا۔ راڈرک ان دنوں کسی مہم پر سپین کی شمالی سرحدوں پہ تھا۔ اس کے نائب تدمیر نے اطلاع کی راڈرک فوراً واپس آیا[4]

راڈرک نے زیور پہنے اور ایک لاکھ فوج زیر کمان لے کر طارق سے ٹکر لینے آیا۔ ۱۹ جولائی ۷۱۱ عیسوی کو دریائے لکہ دیا بکہ[5] کے کنارے تصادم ہوا۔ اس وقت تک طارق کو پانچ ہزار کی مزید کمک موسیٰ کی جانب سے پہنچ چکی تھی۔ ایک لاکھ کی آراستہ و پیراستہ فوج سے اس مختصر لشکر کو کوئی نسبت نہ تھی۔ طارق نے اس موقع پہ ایک جوشِ انگیز خطبہ دیا جس کے ابتدائی کلمات یہ تھے :۔

اے لوگو! اب جائے فرار نہیں۔ عقب میں سمندر اور سامنے دشمن ہے تمہارے لئے اب ایک ہی سبیل رہ گئی ہے اور وہ جم کر لڑنے اور استقامت کی ہے

---

[1] مقری ۔ ابن اثیر [2] مقری ص ۱۸۱ [3] بلاذری ۔ مقری [4] مقری [5] ابن قوطیہ
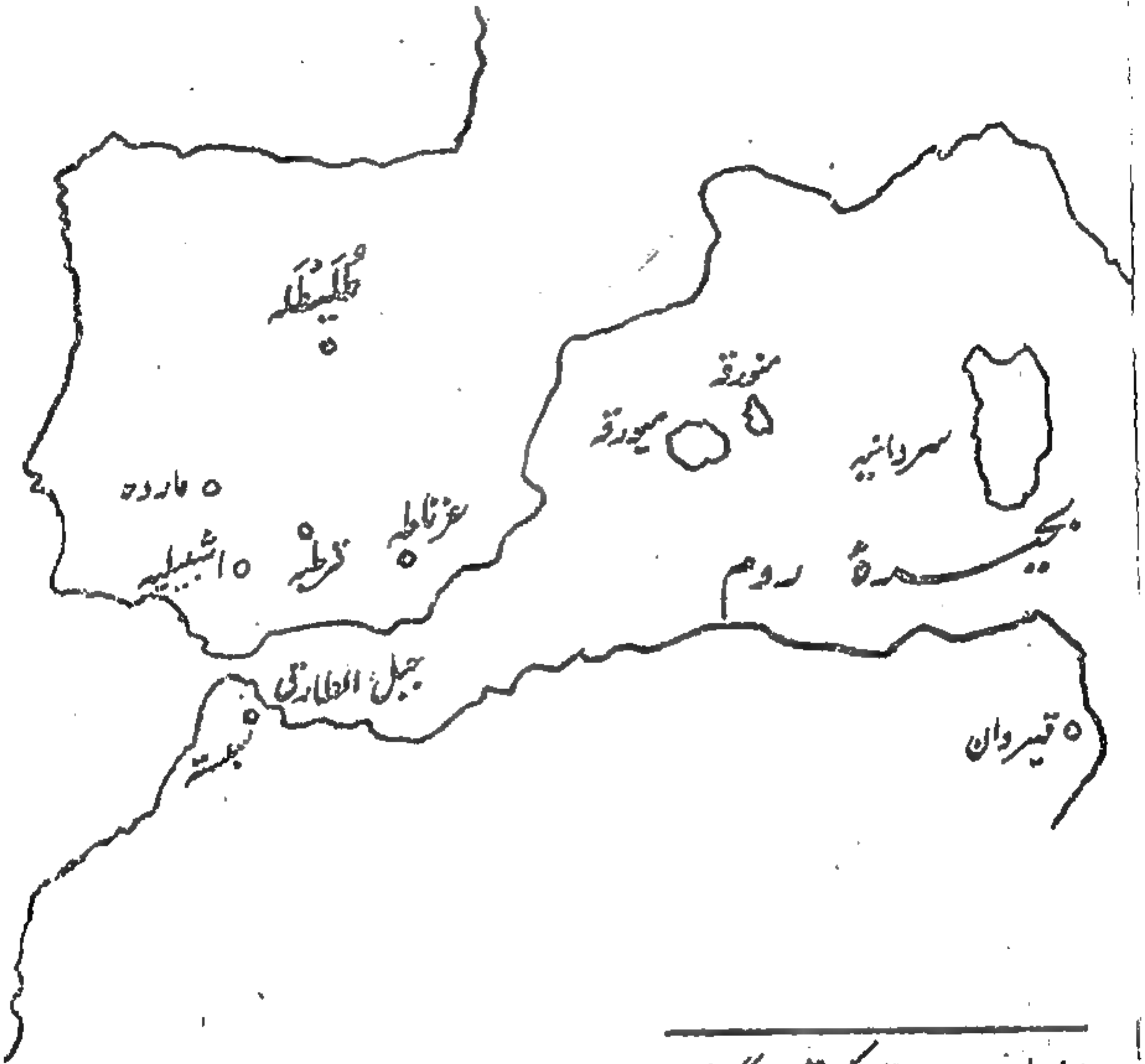
موسیٰ اور طارق کی قدم گاہیں

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں   خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

تمہاری حالت اس جزیرہ میں ایسی کس مپرسی کی ہے
جیسی بخیلوں کی دعوت میں یتیموں کی۔ دشمن تمہارے
قریب آ لگا ہے۔ اس کا اسلحہ اور رسد وافر ہے تمہاری
تلواریں ہی تمہاری پناہ ہیں............[1]

راڈرک اپنے اضطرابی اور فساد پسند مزاج کی وجہ سے رعایا میں ازبس نامقبول تھا۔ وہ شاہی گھرانہ سے نہیں تھا۔ بلکہ اس کا قوط سے ہونا بھی مشکوک تھا۔ اس لئے لوگ اسے حقیر جانتے تھے۔ اس کی فوج نے خیال کیا کہ عرب لوٹ مار کے لئے آئے ہیں۔ اس بادشاہ سے ہمارا پیچھا چھڑا کر واپس چلے جائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ مقابلہ سے گریز کر جائیں۔ جنگ چھڑی تو ہسپانوی سپاہ خود بخود کھٹتی گئی۔ راڈرک کی فوج میں سابق شاہ غیطشہ کے لڑکے بھی تھے۔ وہ راڈرک کے دشمن تھے لیکن اس کے خوف سے مجبوراً لشکر میں شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے طارق سے نامہ و پیام کیا کہ ہماری جاگیر مل جائے تو ہم تمہارا ساتھ دینے کو آمادہ ہیں۔ طارق نے تسلیم کیا اور وہ اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ راڈرک کی رہی سہی جمعیت بھی پریشان ہو گئی اس نے شکست کھائی۔ اس کے انجام کی صحیح خبر نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ طارق کی تلوار کا شکار ہوا اور بقول بعض حالت فرار میں مارا گیا۔[2]

طارق نے وادیٔ لکہ سے سپین کے دارالملک طلیطلہ (TOLEDO) کا رخ کیا۔ دیگر بڑے بڑے شہروں کی طرف الگ فوجیں روانہ کیں۔ قرطبہ پر مغیث کو بھیجا۔ اس شہر کی فصیل بہت سنگین اور بلند تھی۔ مغیث نے محاصرہ ڈالا۔ کئی روز گذر گئے۔ آخر ایک رات بارش ہوئی

---

[1] مقری۔ ابن اثیر [2] مقری، ابن قوطیہ۔

اور کرڑاکے کی سردی پڑی - مجاہدین مقامی گڈریوں کی رہنمائی میں فصیل پھاند گئے - سنتری بے خبر پڑے سوتے تھے - مجاہدین نے دروازے کھول دیئے اور شہر سر ہو گیا[1] اس کے بعد مالقہ اور غرناطہ فتح ہوئے - طلیطلہ والوں نے طارق کی پیش قدمی کا سُنا تو جس قدر ساز و سامان اٹھا سکے لے کر نکل گئے - طارق نے خالی شہر قبضہ میں لے لیا[2]

موسیٰ نہیں چاہتے تھے کہ اسلامی افواج ایک غیر ملک کے اندر دور تک داخل ہو کر ہلاکت میں پڑیں - انہوں نے طارق کو ایک سخت خط لکھا اور حکم دیا کہ قرطبہ سے آگے نہ جانا[3]

موسیٰ کی آمد :- ۹۳ ہجری میں موسیٰ بھی اچانک سپین میں تشریف لے آئے - انہوں نے اپنی یلغار کے لئے جُدا رستہ انتخاب کیا اور سپین کے مغربی حصہ کا رُخ کیا - پہلے قرمونہ لیا - اس کے بعد اشبیلیہ پر گھیرا ڈالا - یہ شہر کسی زمانے میں راجدھانی تھا اور بہت اہمیت رکھتا تھا - چند ماہ میں سر ہو گیا - پھر ماردہ کی باری آئی - اس کے محاصرہ نے طول کھینچا - اہل اسلام نے بہت تکلیفیں اٹھائیں اور کئی معرکوں میں جانی نقصان کا بھی سامنا کرنا پڑا - انجام کار محصورین نے صلح کی[4]

ماردہ کے محاصرہ نے بہت مدت لی تو اشبیلیہ والوں کو بغاوت کی سوجھی - موسیٰ نے اپنے بیٹے عبد العزیز کو ان کی خبر لینے بھیجا - اس نے دل کھول کر ان کی سرکوبی کی[5]

---

[1] مقری صد ۱۹۴ تا ۱۹۷ [2] مقری - ابن اثیر [3] بلاذری [4] مقری صد ۲۱۲ تا ۲۱۳ [5] ابن اثیر -

موسیٰ نے ایک فوج سردانیہ (سارڈینیا) کے جزیرہ پر بھیجی۔ اہل جزیرہ ہلال کی فاتحانہ پیش قدمی سے پہلے ہی مرعوب تھے۔ فوراً ہتھیار ڈال دیئے انہوں نے سونے چاندی کے ذخیرے کچھ تو سفینہ گاہ کے پانی میں اور کچھ ایک کلیسا کی چھت میں چھپا دیئے۔ اتفاق دیکھئے کہ سمندر کا دفینہ ایک مجاہد کو نہاتے ہوئے معلوم ہو گیا۔ کلیسا کا پوشیدہ خزانہ بھی اچانک طشت از بام ہو گیا زر و سیم کے یہ ڈھیر اہل اسلام کے حصہ میں آ گئے۔

حضرت موسیٰ بن نصیر طلیطلہ کی طرف بڑھے۔ طارق نے سنا تو استقبال کے لیئے نکلا۔ رستہ میں ملاقات ہوئی۔ موسیٰ نے جھنجھلا کر کہا کہ تم نے میری رائے کی مخالفت کیوں کی۔ کوڑا بھی اٹھایا لیکن طارق نے دم نہ مارا[1]

دونوں سپہ سالار نئے علاقوں کی تلاش میں شمال کی طرف بڑھے۔ طارق آگے آگے تھا۔ فرانس کی سرزمین میں قدم رکھے اور ارادہ کیا کہ قسطنطنیہ سے ہو کر واپس شام جائیں۔ ایکا ایکی ولید نے موسیٰ اور طارق دونوں کو بلا بھیجا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مجاہدین کٹھن مہمات میں پڑ کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ ۹۴ ہجری میں انہوں نے سپین کو الوداع کہا۔ موسیٰ کے فرزند عبدالعزیز والئی سرائے مقرر ہوئے۔ انہوں نے قرطبہ کو مرکز بنایا[2]

غیطشہ کے لڑکے ولید کے پاس حاضر ہوئے۔ اس نے عزت و احترام کے ساتھ واپس کیے اور ان کو الگ الگ جاگیریں عطا کیں[3]

---

[1] مقری صہ ۲۱۸ [2] ابن اثیر الامامۃ والسیاستہ مقری صہ ۱۳۵، ۲۱۸، ۲۲۳، ۲۲۴ مع حواشی [3] مقری۔ ابن قوطیہ۔

سپین سے انبار در انبار غنیمت ملی۔ سونے چاندی کے علاوہ طرح طرح کے نوادر ہاتھ آئے۔ ایک سبز رنگ کا زبرجدی میز دستیاب ہوا۔ اس کے ۳۶۰ پائے تھے۔ اسے حضرت سلیمان سے منسوب کیا جاتا تھا۔ موسیٰ واپس آئے تو ان کے ساتھ اس غنائم بے کراں کے علاوہ تیس ہزار اسیر تھے لے

اندلس میں انقلاب: جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت سپین پر قوط کی نیم وحشی قوم کا راج تھا۔ یورپ کا دستور ان دنوں انصاف اور مساوات کے نام سے قطعاً ناآشنا تھا۔ انسانیت کا احترام مفقود تھا۔ باشندے تین طبقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ سب سے اونچا طبقہ امراء کا تھا۔ وہ لوگ گویا کھانے پینے اور خوش وقتی ہی کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ دوسرے طبقہ کو دیسے تو متوسط درجہ حاصل تھا لیکن ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ حکومت کے اخراجات اور ٹیکسوں کا بوجھ یہی طبقہ اٹھاتا تھا۔ زمینوں کے مالک زمینیں فروخت نہیں کر سکتے تھے۔ بارہا وہ اس ذلت کی زندگی سے بھاگ جاتے تھے۔ تیسرا طبقہ کاشتکاروں اور غلاموں کا تھا۔ کاشتکاروں کی حالت بھی غلاموں کی سی تھی۔ ساری عمر ایک ہی مالک اور ایک ہی قطعۂ زمین سے وابستہ رہتے تھے۔ وہ قطعۂ زمین کسی جدید مالک کے پاس جاتا تو کاشتکار بھی زبردستی منتقل کر دیئے جاتے تھے۔ کاشتکار مالک کی مرضی کے بغیر شادی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اگر میاں بیوی دو مختلف مالکوں کی زمینوں سے ہوتے تو ان کی اولاد ان دو مالکوں کے درمیان تقسیم ہو جاتی تھی لیے بردہ فروشی کا بازار گرم تھا۔

لے ابن اثیر۔ مقری ملہ ڈوزی۔ لین پول صہ تاہ

کاشت کار اور غلام بار ہا اس زندگی سے تنگ آکر جنگلوں میں بھاگ جاتے اور راہزنی کر کے وقت گزارتے تھے [۱]

اُندلس کی مذہبی حالت بھی ابتر تھی - یہ لوگ فقط نام کے عیسائی تھے - ان میں عیسائیت کی کوئی جھلک نہ تھی - پادری جو امراء کے ہم پایہ ہوتے تھے عیش و عشرت میں غرق رہتے تھے - آدم خوروں سے بھی بڑھ کر سنگدل تھے - مذہبی رواداری عنقا تھی - یہود کی اندلس میں بہت کثرت تھی - ان کو تبدیلِ مذہب پر مجبور کیا جاتا تھا اور اگر یہ انکار کرتے تو طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں - ان کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا - بس چلتا تو بھاگ کر بربر کے ہاں اسلام کے زیرِ سایہ پناہ لیتے تھے طارق کے حملہ سے سترہ برس پہلے انہوں نے آزادی حاصل کرنے کے لیے ایک مخفی تحریک چلائی - حکومت کو علم ہو گیا - ان کے مال و اسباب ضبط ہوئے اور ان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ان کے بچے تک چھین لیے گئے اور یہودیت ممنوع قرار دی گئی [۲]

اسلام نے اُندلس کی سرزمین سے ظلم و جہالت کی تہ بتہ تاریکیوں کو دور کیا اور زندگی کا نقشہ بدل دیا - سرکش امراء اور غاصب پادری عوامی سطح پر کھڑے ہو گئے - ضعیف سے ضعیف انسان کو اہلِ وطن کے برابر حقوق حاصل ہوئے - زیر دست طبقہ پر جو گردن شکن بوجھ تھے اتار دیے گئے - سنگدلانہ قوانین پر خطِ تنسیخ کھینچا اور اندلس کا گوشہ گوشہ عدل و مساوات کی نعمت سے ہم کنار ہو گیا - یورپی مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ سپین والوں کے لیے یہ فتح نعمت کا سامان تھی -

فتح کے وقت مختلف شہروں سے جو شرائط طے ہوئیں ان کو

---

[۱][۲] ڈوزی ـ ڈوزی ص ۲۲۶ تا ۲۲۹ -

فاتحین نے نبا ہا۔ کسی امن پسند شہری کی جایداد یا زمین نہیں چھینی۔
صرف انہی لوگوں کی زمینوں پر قبضہ ہوا جو ملک سے فرار ہو گئے تھے
البتہ جن امراء اور پادریوں کی غیر معمولی طور سے بڑی جاگیریں تھیں انہیں
ختم کیا گیا اور طبقات کی تقسیم جاتی رہی۔ جن زمینوں پر غلام یا کاشتکار
کام کرتے تھے وہ ان کے قبضہ میں رہنے دی گئیں۔ مالکوں کو زمین فروخت
کرنے کی اجازت حاصل ہو گئی۔ مسلمانوں کی طرح انہیں بھی پیداوار کا
مقررہ حصہ حکومت کو دینا ہوتا تھا جو زمین کی اہلیت کے موافق ہوتا
تھا۔ بٹائی کی شرح مسلم و غیر مسلم سب کے لئے یکساں تھی۔ کاشت
کاروں کو جب زمینوں پر مستقل حقوق عطا ہوئے تو انہوں نے زراعت
میں خوب دل لگایا اور محنت کی غلہ کی بہتات ہو گئی۔

جو غلام اسلام لے آتے وہ خود آزاد ہو جاتے تھے۔ سپین میں
غلاموں کی تعداد آزاد باشندوں سے بدرجہا زیادہ تھی۔ یہ لوگ جوق
درجوق حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

غیر مسلموں کو حسبِ حیثیت جزیہ ادا کرنا ہوتا تھا۔ اس کی زیادہ
سے زیادہ مقدار ۴۸ درہم تھی۔ غرباء سے صرف ۱۲ درہم سالانہ
لئے جاتے تھے۔ جزیہ ماہانہ اقساط میں وصول ہوتا تھا تاکہ ادا کرنے
والوں کو سہولت رہے۔ یہ ٹیکس صرف انہی غیر مسلموں پر عائد ہوتا تھا
جو جنگ کے قابل ہوتے تھے۔ بچے، بوڑھے، عورتیں اور معذور
معاف تھے۔

اندلس کا ملک پہلی بار مذہبی آزادی سے آشنا ہوا۔ یہود کے لئے
یہ ایک بے گراں نعمت تھی۔ وہ مدت سے عیسائی فرماں رواؤں کے
تعصب کا شکار ہو رہے تھے۔ اب انہیں آزادی سے عبادت کرنے
اور زندگی گزارنے کا موقع ملا۔

غیر مسلموں کو حکومت کے کار و بار میں بھی شریک کیا گیا۔ ان سے اہم معاملات میں مشورے لیے جاتے۔ ضلعی حاکم اور کارپرداز بالخصوص لگان اور جزیہ وصول کرنے والا عملہ انہی میں سے ہوتا تھا ان کے مقدمات کے لیے الگ عدالتیں ہوتی تھیں۔ جہاں غیر مسلم جج مامور ہوتے تھے۔

سپین کے عیسائیوں نے اہل اسلام کی عدل پروری، کرم گستری اور مساوات پسندی دیکھی تو اسلامی حکومت کو وطنی حکومت پر ترجیح دینے لگے۔ ایک طویل مدت تک کسی طرف سے شورش یا بغاوت کی صدا نہ اٹھی۔ لوگ از خود اسلام قبول کرنے لگے اور ایک ہی پشت میں سپین میں مسلمانوں کی وافر تعداد ہو گئی۔

اندلس پر اتنی دانش مندی اور عدل کے ساتھ آج تک حکومت نہیں ہوئی تھی۔ مورخ لین پول حیرت سے پوچھتا ہے کہ صحرا نشین فاتحوں نے یہ اہلیت کہاں سے پیدا کی تھی؟[1]

حجاج بن یوسف کی موت

حجاج بن یوسف نے ۹۴ ہجری میں حضرت سعید بن جبیر کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل کرایا تھا۔ حضرت سعید کا سر زمین پر گرا تو اس سے تین بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی صدا نکلی، یہ منظر دیکھ کر حجاج کے حواس مختل ہو گئے۔ وہ وحشت زدہ رہنے لگا۔ بار بار کہا کرتا تھا مجھے سعید بن جبیر سے کیا لینا تھا۔[2]

حجاج نے ۹۵ ہجری میں تقریباً چون برس کی عمر میں وفات پائی

---

[1] دیکھو لین پول (مورز ان سپین) صہ ۴۳ تا ۸۰ (ہسپینش اسلام)

[2] ابن اثیر

مدت ولایت بیس برس ہے[1]

حجاج بن یوسف ایک ظالم، خود رائے اور سرکش حکمران تھا۔ اس کی فرعونیت کا یہ حال تھا کہ نماز میں تاخیر کیا کرتا تھا[2] اس نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی گرفتار کر کے مروائے تھے[3] اس کے عہد میں لوگ اسلام لا کر شہروں میں آباد ہونے لگے اور خراج گھٹ گیا تو اس نے حکم دیا کہ سب نو مسلم شہروں سے نکل جائیں اور حسب سابق جزیہ ادا کریں[4]۔

حجاج کے مظالم کے ہاتھوں عراق کی حالت اس قدر زبوں ہو چکی تھی کہ سلیمان نے یزید بن مہلب کو یہاں کا والی بنایا تو اس نے دیکھا کہ بغیر ظلم و ستم کے عراق سے خراج کی پوری رقم وصول کرنا ناممکن ہے وہ سلیمان کو ناراض نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے حیلہ کر کے اس ولایت سے جان چھڑائی اور خراسان پر مامور ہوا[5]

بعض لوگ حجاج بن یوسف سے قرآن حکیم کے اعراب منسوب کرتے ہیں لیکن یہ درست نہیں۔

ولید کی وفات

ولید نے ۹۶ ہجری میں رحلت کی۔

ولید کے عہد پر تبصرہ

ولید کو اپنے باپ سے ایک پختہ اور استوار حکومت ورثہ میں ملی

---

[1] ابن اثیر [2] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ۲-۱۱۹ [3] ترمذی ابواب الفتن [4] ابن اثیر واقعات ابن الاشعث [5] ابن اثیر - کتاب الوزراء جہشیاری

تھی۔ بد امنی کا نشان تک نہ تھا۔ سکون کی فضا طاری تھی۔ البتہ چند در چند مجبوریوں کی بنا پر بیرونی ممالک پر فوج کشی کی گئی اور اس سلسلہ میں ترکستان اور سپین کے علاقے زیر نگین آ گئے۔ ولید کی خوش قسمتی تھی کہ اسے محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور قتیبہ بن مسلم ایسے ماہرین جنگ ملے۔ وہ نہ صرف اپنے نام تاریخ کے صفحات پر ثبت کر گئے بلکہ ولید کا نام بھی شہرت اور نام وری کے ایوان میں منقش کر گئے۔ توحید کی شعائیں ایک طرف اندلس پر پڑیں اور دوسری طرف ہندوستان کو منور کرنے لگیں۔

ولید کے عہد میں خزانہ بھرپور تھا۔ خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ رفاہ عامہ کے متعدد کارنامے انجام پذیر ہوئے اور یادگار زمانہ تعمیرات وجود میں آئیں۔ اسلامی حکومت کا دبدبہ بڑے سے بڑے مغرور بادشاہوں پر چھا گیا۔ روم کے قیصر نے مسجد النبی کی تعمیر کے لئے دل کھول کر مدد دی

نظامِ حکومت

ولید کا نظامِ حکومت نہایت شاندار تھا۔ وہ ایک ایک جزئیہ کی طرف خود توجہ دیتا تھا۔

جس حکمران کی سطوت کا یہ حال ہے کہ تمام دنیا اس سے سہمی ہے اور ملکی امور کی خبر گیری کا یہ عالم ہے کہ بازار کی سبزیوں کا بھاؤ بھی وقتاً فوقتاً خود ملاحظہ کرتا ہے[1] اس کے کاروبار میں خرابیوں کا دخل پانا بہت مشکل ہے۔

ولید نے سرکاری ملازموں کا شمار کروایا اور تقریباً بیس ہزار

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر۔

آدمیوں کی چھانٹی کردی (الیعقوبی)

ولید کی مملکت اچانک دُور دُور تک پھیل گئی اور کئی اجنبی اقوام کا اختیار سنبھالنا پڑا لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہر کہیں برابر کا امن و امان اور سکون تھا۔ نو تسخیر علاقوں میں نہایت سرعت سے جدید انتظام قائم ہوا۔ اس انقلاب میں ہر پہلو سے خیر و فلاح کی صورت نظر آتی تھی۔ رعیت خورسند تھی اور راعی مطمئن۔ نظم و ضبط کا یہ حال تھا کہ وہ جرنیل جنہوں نے ایک عالم کو ہلا دیا تھا۔ اپنے فرماں روا کے سامنے سراپا اطاعت تھے۔

عدل اتنی وسیع حکومت کا اس قدر کامیاب نظام جبھی چل سکتا ہے کہ اس میں عدل کی روح کارفرما ہو ولید کی عدل پرستی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ یمن کا والی اموال لایا تو صحن کعبہ میں اسے پچاس قسمیں دیں کہ یہ مال حلال ہے اور عوام سے جبراً وصول نہیں ہوا[1]۔

ولید کو جامع دمشق کے لیے تانبے کی ضرورت ہوئی اسے معلوم ہوا کہ ایک عورت کے پاس کچھ مقدار ہے۔ ولید نے کارندہ بھیجے تو اس عورت نے کہا کہ میں اسے دوگنا سونے کے عوض بیچونگی ولید مان گیا۔ عورت نے یہ سلوک دیکھا تو تانبا مفت دے دیا[2]۔

تعلیم ولید نے تعلیم کی طرف قومی پیمانے پر توجہ دی اور قرآنی تعلیمات کی خوب اشاعت کی۔ علم کا ذوق و شوق پیدا کرنے اور علماء کو فکرِ روزگار سے فارغ رکھنے کے لیے

---

[1] طبری [2] خلاصۃ الذہب المسبوک از عبدالرحمٰن اربلی۔

فقہا اور حفاظِ قرآن کے وظائف مقرر کیے - وقتاً فوقتاً انہیں عطیے بھی دیتا تھا اور ان کے قرضے ادا کرتا تھا[1] ایک دفعہ ایک سائل نے ولید سے قرضہ میں مدد چاہی - ولید نے پوچھا، کیا قرآن پڑھ سکتے ہو؟ بولا، نہیں - ولید نے کہا - تو قریب آؤ اس کا عمامہ اتارا اور سر کو چھڑی سے خوب ٹھوک بجا کر ایک درباری کو حکم دیا کہ اس کو اپنے قبضہ میں رکھو - جب تک قرآن نہ پڑھ چکے نہ جانے دو[2]

زراعت ولید نے جزیرہ میں ایک نہر کھدوائی - اس کی گذر گاہ بنانے کے لیے جنگل کٹوا کر جگہ صاف کروائی - اس نہر کا نام نہر سعید بن عبد الملک تھا[3]

فوج ولید کے عہد میں سپاہ کی کثرت نہ تھی - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سندھ اور سپین ایسے خطرناک محاذوں پر مختصر فوج بھیجی گئی - لیکن جہاد کی روح تازہ تھی اور نظم و ضبط انتہاء پر تھا - طارق بن زیاد پر موسیٰ نے سب کے سامنے کوڑا اٹھایا - لیکن طارق نے ایک سعادت مند شاگرد کی طرح اس سرزنش کا تحمل کیا -

ولید کے عہد میں بحری بیڑہ نے بہت ترقی کی - موسیٰ بن نصیر نے تیونس میں ایک دار الصناعت بنایا - یہاں جہاز تیار ہوتے تھے بارہ میل لمبی نہر کھدوا کر اسے سمندر سے ملایا - تاکہ جہازوں کی آمد و رفت ہو سکے - موسیٰ نے یہاں ایک سو سفینے بنوائے[4]

---

[1] ابن اثیر - ابن کثیر - تاریخ الخلفاء - [2] طبری [3] بلاذری ص ۱۷۹ [4] الامامتہ والسیاستہ میں مذکور ہے کہ اسے موسیٰ نے ۸۴ ہجری میں بنایا، لیکن درست یہ ہے کہ موسیٰ ولید کے عہد میں والی مقرر ہوا تھا -

رفاہِ عامہ

ولید کو رفاہِ عامہ سے طبعی لگاؤ تھا۔ اس کا یہ کارنامہ فراموش نہیں ہو سکتا کہ اس نے گداگری کے استیصال کی طرف عملی قدم اٹھایا۔ اس نے غریبوں اور کوڑھیوں کو سوال کرنے کی ممانعت کر دی اور ان کے وظائف مقرر کیے فقراء میں چاندی کے ٹکڑے تقسیم کروایا کرتا تھا۔ جو لوگ چلنے پھرنے سے معذور تھے ان کے لیے خادم اور اندھوں کے لیے رہنما مہیا کیے۔ یتیم بچوں کے ختنہ کا سرکاری اہتمام کرایا ان کے لئے اساتذہ بھی مقرر کیے[1] معذوروں اور مسکینوں کے لئے ولید نے روزینے جاری کیے (یعقوبی)

ولید نے ملک بھر میں اعلان جاری کیا کہ رستے ہموار کیے جائیں اور کنوئیں کھودے جائیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کو جو اس وقت مدینہ کے حاکم تھے ہدایت کی کہ مدینہ میں فوارہ بنوائیں چنانچہ ایک نہایت شاندار فوارہ تعمیر ہوا[2]۔ مکہ میں حجون کے مقام پر ایک کنواں کھدوایا یہ کنواں بعد میں مٹ گیا[3]

ولید پہلا حکمران ہے جس نے عوام کے لئے بیمارستان کی تعمیر کی۔ اس نے مسافروں کی سہولت کے لئے سرکاری مہمان خانے بھی بنوائے[4]

ولید نے علم طب کی ترقی کی طرف قدم اٹھایا۔ ایک یہودی ماسرجویہ نام نے طب کی ایک کتاب کا سریانی سے ترجمہ کیا۔ یہ کتاب شاہی کتب خانہ میں رکھی گئی[5]۔

---

[1] ابن اثیر۔ تاریخ الخلفاء سیوطی [2] ابن اثیر ۸۸ھ [3] طبری [4] ابن اثیر ۸۹ھ [5] خلاصۃ الذہب المسبوک از عبد الرحمن اربلی۔

تعمیرات

ولید نے تعمیرات میں کمال دلچسپی لی - دولت کی کمی نہ تھی - دل کھول کر روپیہ لگایا -

جامع دمشق :- ولید کا سب سے بڑا تعمیری کارنامہ جامع دمشق ہے جسے جامع اموی بھی کہتے ہیں - یہ اعجوبۂ روزگار تھی - اس کی جگہ پہلے ایک گرجا تھا - حضرت عمرؓ کے عہد میں دمشق فتح ہوا تو از روئے معاہدہ اس کا آدھا حصّہ مسجد کے لئے دے دیا گیا - گرجا اور مسجد چونکہ ساتھ ساتھ تھے اس لئے نماز میں خلل ہوتا تھا - ولید نے نصاریٰ سے طے کر کے یہ نصف گرجا بھی لے لیا اور اس کے عوض عیسائیوں کو ایک اور گرجا دیا - مسلمان اسے گرانے لگے تو عیسائیوں نے کہا کہ جو شخص اسے گرائے گا پاگل ہو جائے گا - ولید بولا ، تو پھر اللہ کی راہ میں سب سے پہلے میں پاگل ہوں گا - پھاوڑا اٹھایا اور اسے توڑنا شروع کیا -

کاریگروں کی ضرورت تھی - قیصر روم کو لکھا کہ صناع بھیجو ورنہ تم پر حملہ کروں گا اس نے دو سو کاریگر بھیجے -

مسجد کا گنبد بنانے لگے تو بنیادیں پانی تک کھودیں اور پھر انہیں پتھروں سے بھر کر ان پر گنبد تعمیر کیا - چھت کو اندر سے سونے سے لیپ دیا -

اس تعمیر میں سونے کے چار سو صندوق خرچ ہوئے - ہر صندوق میں چودہ ہزار اور ایک روایت کے موافق ۲۸ ہزار دینار تھے - یہ سب روپیہ ولید کا ذاتی تھا - بیت المال پر بار نہیں ڈالا -

جامع دمشق ۸۶ ہجری سے ۹۶ ہجری تک تعمیر ہوتی رہی - جو کمی رہ گئی تھی سلیمان نے پوری کی -

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد میں اس جامع سے سونا

اور قیمتی پتھر اکھیڑنے کا ارادہ کیا لیکن اس اثناء میں ایک عیسائی آیا اور مسجد کی عظمت و سطوت دیکھ کر بے ہوش ہو گیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ ان کو مرعوب کرنے کے لئے رہنے دو[1]

مسجدُ النبی کی تعمیر جدید:۔ ۸۸ ہجری میں ولید نے عمر بن عبد العزیزؒ کو حکم دیا کہ مسجد النبی کو از سر نو تعمیر کیا جائے۔ حضرت عمرؒ نے اُمّہات المومنین کے حجرے اور دیگر ملحقہ مکانات خرید کر اس کے رقبہ میں ملائے۔ ولید نے شام سے کاریگر بھیجے۔ قیصر روم نے سونے کی ایک کثیر مقدار، ایک سو کاریگر اور منبت کاری سے لدے ہوئے چالیس اونٹ پیش کیے۔ مسجد ۹۱ ہجری میں مکمل ہوئی۔ ولید نے دیکھنے کے لیے خود حاضری دی[2]

بیتُ المقدس:۔ ولید نے بیت المقدس کی مسجد پہ گنبد تعمیر کرایا[3]

کعبہ کی تزئین:۔ ولید نے کعبہ کے دروازہ، میزاب اور ستونوں پر سونا چڑھوایا[4]

ان کے علاوہ ولید نے اور بھی کئی مسجدیں تعمیر کرائیں[5]

---

[1] جامع دمشق کے عنوان کے لئے ابن کثیر اور طبری بردی کی تاریخیں دیکھی جائیں [2] ابن کثیر۔ طبری [3] ابن کثیر [4] خلاصۃ الذہب المسبوک عبداللہ حنزہ اربلی۔ یعقوبی [5] ابن اثیر۔

سلیمان بن عبدالملک

۹۶ھ تا ۹۹ھ

۷۱۴ء تا ۷۱۷ء

ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان، عبدالملک کی وصیت کے بموجب تخت نشین ہوا۔ ولید نے وفات سے قبل قتیبہ اور حجاج کی مدد اور تائید سے سلیمان کے بجائے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو خلیفہ نامزد کرنا چاہا تھا لیکن موت نے مہلت نہ دی۔

محمد بن قاسم کی شہادت

حجاج کی وفات کے بعد محمد بن قاسم نے سندھ سے واپسی کا ارادہ کیا۔ سلیمان خلیفہ ہوا تو اس نے یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔ اس نے محمد بن قاسم کو پا بہ زنجیر کر کے عراق بھیجا۔ محمد نے اس موقع پر کہا۔

اضاعونی واَیَّ فتیً اضاعوا لیوم کریھۃٍ وسدادِ ثغر

انہوں نے مجھے کھو دیا اور کیسا جوان کھویا جو خوفناک جنگ اور سرحد کی حفاظت کے لائق تھا۔

محمد بن قاسم سندھ سے چلا تو لوگ رونے لگے۔ اسے واسط پہنچایا گیا۔ وہاں کے حاکم صالح نے اسے دل دوز ایذاؤں کے ساتھ شہید کیا۔ صالح کے ایک بھائی کو جو خارجیوں کا ہم خیال تھا حجاج نے قتل کیا تھا۔ صالح نے اس کا انتقام لیا۔

(یزید بن ابی کبشہ سندھ پر صرف ۱۸ دن حکومت کر کے مر گیا اور اس کی جگہ حبیب بن مہلب آیا۔)

قتیبہ کی موت

سلیمان خلیفہ ہوا تو اس نے قتیبہ کو خراسان پر بحال رہنے دیا لیکن قتیبہ کو یزید بن مہلب کی طرف سے اندیشہ تھا۔ یزید سلیمان کا دست راست تھا۔ قتیبہ نے اس کے اندیشہ کے پیش نظر سلیمان کی بیعت توڑ دی۔ لیکن اس کی فوج کے ایک کثیر حصہ نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ فوج کے دو گروہ ہو گئے۔ ان میں جنگ چھڑ گئی جس میں قتیبہ کام آیا[1]۔ مؤرخ دینوری نے لکھا ہے کہ قتیبہ نے ولید بن عبد الملک کے عہد میں اپنے لشکر والوں کے ہاتھوں وفات پائی۔ اگرچہ قتیبہ کی موت کا سابقہ روایت کے پیش نظر ویسے بھی سلیمان پر الزام عائد نہیں ہوتا لیکن دینوری کے بیان سے قتیبہ کا سلیمانی عہد میں انتقال کرنا ہی مشکوک ہو جاتا ہے[2]۔

---

[1] ابن اثیر

[2] اخبار الطوال ج ۱ ص ۳۲۱

موسیٰ بن نُصیر کا انجام

موسیٰ بن نصیر اور طارق کو ولید نے اپنی زندگی میں واپس بلایا تھا۔ یہ جب شام پہنچے تو ولید وفات پا چکا تھا۔ سلیمان موسیٰ سے عناد رکھتا تھا اسے سب عہدوں سے معزول کر دیا۔ قید میں ڈالا اور اتنا بھاری تاوان ڈالا کہ اسے اہل عرب کے سامنے دستِ احتیاج دراز کرنا پڑا[1] کچھ مدت بعد عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن مہلب کی وساطت سے سلیمان اس سے راضی ہو گیا اور تاوان چھوڑ دیا۔[2]

سلیمان کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جن دنوں موسیٰ اندلس سے واپس آ رہا تھا ولید بسترِ مرگ پر تھا۔ سلیمان نے چاہا کہ اندلس کے غنائم اس کے دورِ حکومت میں پیش ہوں۔ موسیٰ کو خط لکھا کہ آہستہ رفتار سے آؤ۔ اس نے جواب دیا کہ میں بے وفائی نہیں کروں گا اور جو رفتار اختیار کی ہے اسے نہ بدلوں گا۔ سلیمان تک یہ جواب پہنچا تو طیش میں بھر گیا۔ وہ جب خلیفہ ہوا تو موسیٰ کو بلا کر ڈانٹا۔ اسے عین دوپہر کے وقت دھوپ میں کھڑا کیا موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا[3]

کچھ مدت بعد موسیٰ بن نُصیر کے بیٹے عبدالعزیز والیٔ اندلس کا سر سلیمان کے سامنے پیش ہوا۔ عبدالعزیز کے قتل کے بارے میں دو روایات ہیں ایک یہ کہ اس نے راڈرک کی بیوہ سے شادی کی تھی وہ اس کے مزاج پر بہت حاوی ہو گئی اور کہا کہ میں تمہیں شاہوں کی شان کے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔ امرا سے کہو کہ تمہیں

---

[1] ابن اثیر۔ [2] الامامۃ والسیاسۃ۔ فتوح البلدان۔ مقری۔
[3] الامامۃ والسیاسۃ

سجدہ کیا کریں۔ عبد العزیز نے انکار کیا لیکن بیوی نے ضد کی تو اپنے کمرہ میں ایک تنگ سا دریچہ بنایا۔ امرا اس سے گزر کر آتے تو ان کے سر لا محالہ جھک جاتے۔ عبد العزیز کی بیوی کی تسلی ہو گئی لیکن اس پر اکتفا نہ کیا اور تاج بنوا کر عبد العزیز کے سر پر رکھوایا۔ لوگوں میں شہرہ ہوا کہ عبد العزیز نصرانی ہو گیا ہے۔ اسے ایک دن قتل کر دیا[1] یہ روایت بے بنیاد نظر آتی ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ سلیمان کے سامنے کسی نے جھوٹ چغلی کھائی کہ عبد العزیز نے تمہارے بارے میں سخت کلمات کہے ہیں[2] سلیمان نے آدمی بھیج کر اسے عین اس وقت مروا دیا جب وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کا سر آیا تو سلیمان نے موسیٰ کے پاس بھیجا۔ موسیٰ نے دیکھ کر کہا، اس کو شہادت مبارک ہو۔ واللہ تم نے ایک پابندِ صوم و صلوٰۃ آدمی کو قتل کیا[3] کہتے ہیں کہ سلیمان پر بعد میں حقیقت کھلی کہ عبد العزیز اس کا وفادار تھا وہ بہت نادم ہوا موسیٰ کے ذمے جو تاوان تھا معاف کیا اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا رہا۔ موسیٰ ۹۷ھ میں اس کے ہمراہ مکہ کے سفر میں تھا کہ وفات پائی۔ سلیمان نے اس کی نماز جنازہ پڑھی[4]

موسیٰ ایک نیک دل اور خدا دوست انسان تھا۔ اس سے کئی بار کرامات کا ظہور ہوا[5] وہ ایک باکمال خطیب اور انشاء پرداز تھا۔ ولید کو سپین کی فتوحات اور غنیمت کے بارہ میں لکھا یہ فتوحات نہیں حشر ہے[6]

---

[1] ابن اثیر [2] الامامۃ والسیاسۃ [3] ابن ایثر [4] الامامۃ والسیاسۃ۔ النجوم الزاہرہ [5] الامامۃ والسیاسۃ [6] مقری ص ۲۹۱

بعض مؤرخین نے کچھ ایسی روایات بھی لکھی ہیں جن میں سلیمان کی بد سلوکی کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے مثلاً کہا گیا ہے کہ موسیٰ نے سلیمان کے ہاتھوں گداگری کے عالم میں وادی القریٰ میں وفات پائی[1] یہ روایت درست نہیں۔

جرجان، قہستان اور طبرستان کی فتوحات

یزید بن مہلب کی دیرینہ خواہش تھی کہ قتیبہ کی طرح فتوحات میں نام پیدا کرے۔ خراسان کی ولایت پر مامور ہونے کے بعد اسے یہ موقع اس طرح ملا کہ جرجان کے لوگوں نے نہ صرف خراج بند کر دیا بلکہ خراسان کی راہ بھی روک دی۔ آس پاس اسلامی علاقوں میں قزاقی کرنے اور بد امنی پھیلانے لگے۔ یزید نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ ان پر چڑھائی کی۔ رستہ میں قہستان کے علاقے تھے۔ انہیں آسانی سے تسخیر کر لیا۔ جرجان کی فتح میں بھی دیر نہ لگی یزید کا حوصلہ بڑھا اور اسے طبرستان کی خواہش ہوئی۔ اس نے شاہِ طبرستان اور اس کے مددگاروں کو زبردست شکست دی لیکن اس ملک پر قبضہ جمانے میں ناکام رہا اور واپس ہوا۔ رستہ سے لاعلمی کی وجہ سے اس کی فوج کا ایک کثیر حصہ گھر کر تباہ ہوا۔ یزید گھبرایا اور ایک مقامی مسلمان کو شاہِ طبرستان کے پاس بھیجا کہ اُسے صلح پر جھکائے۔ یہ شخص اہل وطن کی ہمدردی کا روپ بھر کر گیا اور شاہ کو ڈرایا کہ یزید کی کمک آیا چاہتی ہے تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ صلح کر لو۔ یہ داؤ چل گیا اور صلح ہو گئی۔ یزید واپس آیا۔

---

[1] مقری

قسطنطنیہ کی مہم ۹۸ھ

حضرت معاویہؓ کے عہد میں قسطنطنیہ پر حملہ ہوا تھا۔ لیکن کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

سلیمان کے پاس آذر بائیجان کا ایک عیسائی سردار الیون — لیو LEO — آیا اور کہا کہ قیصر مر چکا ہے۔ تم قسطنطنیہ پر حملہ کرو۔ میں فتح کا ضامن ہوں۔ سلیمان نے اپنے بھائی مسلمہ کو قسطنطنیہ کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ شہر والے قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ سردیاں آئیں تو مسلمہ نے لکڑی کی بارکیں بنوائیں۔ محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا گیا۔ محصورین نے صلح کی درخواست کی لیکن مسلمہ نے انکار کر دیا۔ اب شہر والوں نے الیون سے معاہدہ کیا کہ تم اسلامی لشکر کو پھیر دو تو تمہیں بادشاہ بنا لیں گے۔ الیون نے مسلمہ سے فریب کیا اور کہا کہ اگر تم بارکوں کو جلا دو تو شہر والے سمجھیں گے کہ اب تم حتمی فیصلہ پر تل گئے ہو اور وہ تمہاری اطاعت کر لیں گے۔ الیون دھوکا سے غلہ کی بھی ایک کثیر مقدار لے گیا۔

بارکیں جلا کر اور غلہ سے ہاتھ دھو کر اسلامی لشکر مصیبت میں پھنس گیا۔ کھالیں، درختوں کی جڑیں اور پتے غرض مٹی کے سوا کیا چیز تھی جو مسلمانوں نے جان بچانے کے لئے نہیں کھائی۔ جاڑے کے ستم ان پر طرہ تھے۔ سلیمان دابق میں مقیم تھا۔ وہ مدد نہ بھیج سکا[1]۔

اسلامی لشکر مصائب کا شکار تھا۔ کمک ناپید تھی۔ لیکن پھر

---

[1] ابن اثیر

بھی پلٹنے کا نام نہ لیا۔ ادھر رومی بھی ہمت نہ کر سکے کہ شہر سے نکل کر کھلے میدان میں ان سے برسرِ جنگ ہوں۔

ولی عہد کی نامزدگی اور سلیمان کی وفات

سلیمان نے کہا تھا کہ میں قسطنطنیہ سر کر کے لوٹوں گا ورنہ مر جاؤں گا۔ اس کا یہ عہد یوں پورا ہوا کہ وہ دابق ہی میں بیمار پڑا اور وفات پائی۔ مرض الموت میں اس نے اپنے بیٹے کو ولی عہد نامزد کرنا چاہا۔ مشہور محدث رجاء بن حیوۃ نے جو اس وقت سلیمان کے ہمراہ تھے کہا کہ قبر میں خلیفہ کی رہائی اس بات سے ہوتی ہے کہ اپنا جانشین کسی صالح آدمی کو کر جائے۔ دونوں نے غور و فکر کے بعد عمر بن عبد العزیز کی ولی عہدی کا فیصلہ کیا۔ سلیمان کو ڈر تھا کہ خلافت آلِ عبد الملک سے نکلی تو وہ فساد کریں گے۔ اس لئے عمر ثانی کے بعد اس نے یزید بن عبد الملک کا نام رکھا۔ ارکانِ خاندان کو بلایا اور نامزد خلیفہ کا نام ظاہر کیے بغیر لفافہ بند وصیت نامہ پر بیعت لی۔ حضرت عمر ثانی نے رجاء بن حیوۃ سے کہا، میں تمہیں خدا کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ اگر اس میں میرا نام ہے تو بتا دو تاکہ استعفاء دے دوں۔ رجاء نے نہ بتایا[1]

اس فریضہ سے فارغ ہونے کے بعد سلیمان نے ۹۹ھ میں پینتالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ مدتِ خلافت تقریباً ۲ سال ۸ ماہ ہے۔

سلیمان کے یہ کارنامے آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں کہ ایک تو اس نے حجاجی دور کے اثرات کو مٹانے کی سعی کی

---

[1] ابن اثیر۔ سیوطی۔

اور دوسرے عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین کیا۔

متفرق کارنامے

۱۔ سلیمان نے حرم میں میٹھا پانی پہنچانے کے لئے یہ اہتمام کیا کہ کوہِ ثبیر کے دامن میں ایک حوض بنوایا اور اس سے ایک نلکے کے ذریعے صحنِ حرم میں فوارہ کی صورت میں پانی پہنچایا۔ یہ فوارہ بہت مدت تک باقی رہا[1]

۲۔ سلیمان نے رملہ کا شہر آباد کیا اور یہاں شاندار عمارات بنوائیں[2]

---

[1] یعقوبی [2] یعقوبی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

۹۹ھ تا ۱۰۱ھ

ابتدائی حالات حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مروان کے پوتے تھے۔ آپ کی والدہ اُمِ عاصم حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی تھیں[1] آپ اکسٹھ یا تریسٹھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کی جائے پیدائش کے بارے میں صحیح علم نہیں۔ بعض مصر اور بعض مدینہ بتاتے ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد مصر کے گورنر تھے۔ انہوں نے آپ کو تحصیلِ علم کے لئے مدینہ بھیجا۔ آپ نے بچپن میں قرآن حکیم حفظ کر لیا۔ آپ نے مدینہ کے مقتدر اہلِ علم سے استفادہ کیا[2] آپ اپنی والدہ کے ماموں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے بہت

---

[1] تہذیب التہذیب [2] سیوطی۔

متاثر تھے ۔ والدہ سے کہا کرتے تھے کہ میں ان کے مانند ہونا چاہتا ہوں ۔ آپ کی والدہ کچھ عرصہ کے بعد جب اپنے شوہر کے پاس مصر گئیں تو آپ مدینہ میں حضرت عبداللہ ہی کے پاس رہے ۔ بالغ ہو کر مصر اپنے والد ماجد کے پاس گئے اور پھر مدینہ آگئے[1] آپ کے والد نے وفات پائی تو آپ کے چچا عبدالملک نے آپ کو دمشق بلا لیا اور اپنی بیٹی بیاہ دی[2]

آپ ۸۷ سے ۹۳ ہجری تک مکہ ، مدینہ اور طائف کی ولایت پر مامور رہے ۔ آپ حکومت کو مکمل طور پر قرآن و سنت کے رنگ میں رنگنا چاہتے تھے ۔ مدینہ میں آپ نے شوریٰ کا اصول زندہ کیا ۔ دس اہل الرائے فقہاء کی ایک مجلس قائم کی جس کے مشورہ سے حکومت کرتے تھے[3]

ان ایام میں آپ بہت خوش لباس اور نمائش پسند تھے ۔ خوشبو کے بہت شائق تھے ۔ جدھر گذر جاتے فضا میں خوشبو بس جاتی ۔ آپ کا لباس نفیس اونٹوں پر بار ہوتا تھا ۔ تاہم آپ عدل و انصاف کے بہت دل دادہ تھے ۔

حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اسے بہت ناپسند کرتے تھے ۔ ایک دفعہ سنا کہ وہ حج کے لئے آرہا ہے آپ نے خلیفہ کو لکھا کہ حجاج کو ہدایت کی جائے کہ وہ مدینہ کے پاس سے نہ گزرے[4] عراق کے لوگ حجاج کے ظلم و ستم سے بھاگ کر آپ کے زیر سایہ حجاز میں پناہ لیتے تھے ۔ حجاج نے ولید سے شکایت

---

[1] ابن عبدالحکم [2] سیوطی [3] ابن کثیر ۔ ابن جوزی [4] ابن عبدالحکم

کی۔ اس نے آپ کو معزول کر دیا۔[1]

حضرتِ عمر بن عبد العزیز شروع سے اموی خلفاء کی مطلق العنانی کے خلاف تھے ایک دفعہ عبد الملک کو خط لکھا کہ تم رعیّت کے نگہبان ہو اور تم سے باز پرس ہو گی۔[2]

ایک دفعہ سلیمان کو نصیحتیں کیں اور تلخ کلامی تک نوبت پہنچ گئی۔ آپ ناراض ہو کر مصر چلے گئے۔ اس کے بعد مصالحت ہو گئی۔[3]

بیعتِ خلافت

خلیفہ سلیمان نے اپنی زندگی میں جانشین کا نام ظاہر کیے بغیر وصیّت نامہ پر ارکانِ بنو امیہ کی بیعت لے لی تھی۔ اس نے وفات پائی تو رجاء بن حیوٰۃ نے کچھ دیر خبر پوشیدہ رکھی۔ بنو امیہ کو اکٹھا کیا۔ سلیمان کے سربمہر لفافہ پر دوبارہ ان سے بیعت حاصل کی۔ اس کے بعد لفافہ چاک کیا اور وصیت نامہ سنا کر حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کا اعلان کیا۔ عبد الملک کا بیٹا ہشام بول اٹھا، واللہ ہم اس کی کبھی بیعت نہیں کریں گے۔ رجاء نے جرأت سے کام لیا اور کہا بیعت کو اٹھو ورنہ تمہاری گردن اُڑا دوں گا۔ ہشام بے بس تھا۔ ناچار اٹھا اور بیعت کی۔[4]

حضرتِ عمر نے خیال کیا کہ یہ بیعت جمہوری نہیں ہے۔ کیوں کہ نہ سلیمان نے عوام کی رائے سے آپ کو نامزد کیا تھا اور نہ بنو امیہ عوام کے نمائندے تھے۔ آپ نے دوسرے روز عوام کو جمع کر کے کہا:

> میں نے ظاہراً یا باطناً کبھی خلافت کی تمنا نہیں کی۔ میری رائے اور مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر مجھ پر یہ بوجھ ڈالا گیا

---

[1] ابن کثیر ذکر ۱۰۱ھ [2] سیرت ابن جوزی [3] ابن کثیر۔
[4] ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ سیوطی۔

ہے۔ میں تمہیں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں۔ جسے چاہو اپنا امیر چن لو۔

حاضرین یک آواز پکارے، ہم نے آپ کو امیر چن لیا۔ لوگوں کا جوش و خروش دیکھ کر آپ نے یہ منصب منظور فرما لیا۔[1]

فقر کا دور

سلیمان کو دفن کرنے کے بعد آپ نے دیکھا کہ سواریوں اور سائیسوں کا ایک جلوس کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ سواریاں آپ کے لئے ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں لے جاؤ اور میرا خچر لاؤ۔ اس پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو دستور کے موافق پولیس کا افسر آگے آگے چلا۔ آپ کو یہ بھی تصنع پسند نہ آیا اور افسر کو حکم دیا کہ ایک طرف ہو جاؤ۔[2] بیعت کے بعد گھر تشریف لائے[3] تو نہایت فکر مند تھے۔ لونڈی نے حیران ہو کر پوچھا، آج مسرت کا دن ہے پھر یہ تشویش کیسی؟ فرمایا اس سے بڑھ کر اور کیا تشویش ہو گی کہ مشرق و مغرب میں امتِ محمدیہ کا کوئی فرد نہیں جو اس وقت مجھ سے حق طلب نہیں کر رہا ہے اس نے مجھے لکھا ہے یا نہیں اور زبانی طلب کیا ہے یا نہیں۔[4]

اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے کہا کہ میرے ساتھ رہنا ہے تو فراغ حاصل نہیں ہو گا۔ چاہو تو بے شک میکے چلی جاؤ۔ یہ سن کر گھر کے سب آدمی رو دیئے۔[5] کنیزوں کو بھی اجازت دی کہ میری طرف سے تم پر پابندی نہیں ہے۔ تم آزادی اختیار کر کے جا سکتی ہو۔[6] آپ نے قیمتی لباس اتار ڈالا اور بدن سے خوشبو دھو ڈالی۔[7]

---

[1] ابو نعیم - ابن جوزی - ابن کثیر - تہذیب التہذیب [2] ابن جوزی، ابن کثیر [3] ابن کثیر - سیوطی [4] ابن کثیر [5] سیوطی - ابن عبدالحکم - [6] ابن عبدالحکم -

سابق خلیفہ کی اقامت گاہ میں زرق برق کی بیش قیمت قالینیں اور پردے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں اٹھوا کر بیچ دو اور رقم بیت المال میں جمع کر دو[1]۔ اصطبل کے لئے آپ سے خرچ مانگا گیا۔ فرمایا، گھوڑوں کو فروخت کرو اور قیمت خزانہ میں جمع کر دو۔ میرے لئے خچر کافی ہے[2]۔

اوّلین احکام خلیفہ سلیمان کو دفن کرنے کے بعد آپ نے وہیں قلم دوات منگوا کر تین حکم لکھے۔ ایک یہ تھا کہ قسطنطنیہ کی مہم لوٹ آئے اور دوسرے دو حکم مصر کے صاحب الخراج اور افریقیہ کے والی کی سبکدوشی کے بارے میں تھے۔ یہ دونوں ظالم اور خود سر تھے[3]۔ آپ کو گوارا نہ تھا کہ ان کی مصیبت کو رعیت سے ٹالنے میں ایک پل کی بھی تاخیر ہو۔

اصلاحات

حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ نے خلافت راشدہ کی نظیر کو سامنے رکھا اور اس کی تقلید کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس لئے آپ کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے۔

آپ کو حضرت عمرؓ کے نقوشِ قدم پر چلنے کی بہت تمنا تھی۔ ان کی زندگی میں ڈھلنے کی کوشش کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کو عمر ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کے پوتے حضرت سالم کو لکھا کہ مجھے حضرت عمرؓ کی سیرت قلمبند کر کے بھیج دو۔ انہوں نے جواب دیا

---

[1] ابن جوزی - [2] ابن کثیر [3] سیوطی
[4] ابن عبد الحکم۔

کہ اگر آپ ان کی سیرت پر عمل پیرا ہوں تو اُن سے بھی افضل ہوں گے نیکی میں ان کے کئی مددگار تھے ۔ آپ کا کوئی نہیں لہٰذا بنو امیہ یہ دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے کہ ہم نے حضرتِ عمرؓ کے گھرانے سے رشتہ کیوں کیا۔

حضرتِ عمرؒ کے سامنے انقلابی اصلاحات کا ایک عظیم پروگرام تھا ۔ اس کے لئے جس قوتِ ایمانی اور سیرت کی ضرورت تھی حضرتِ عمرِ ثانی اس سے مالا مال تھے ۔ آپ نے متعدد اصلاحات کیں مثلاً :-

۱ ۔ اصولِ حکمرانی

آپ نے اموی اصولِ جہانداری کو جس پر مطلق العنانی کا رنگ چھایا ہوا تھا بدلنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑی ۔ بنو امیہ تلملاتے تھے لیکن دم نہ مار سکتے تھے ۔ ایک دفعہ ہشام بن عبدالملک آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ سابقہ خلفاء کے فیصلوں کو نہ بدلیں ۔ انہیں بحال رہنے دیں ۔ آپ نے پوچھا ، دو فرمان ہوں ، ایک حضرت معاویہؓ اور ایک عبدالملک کا تو میں کس پر عمل کروں ؟ ہشام نے جواب دیا ، پہلے فرمان پر ۔ آپ نے فرمایا ، "تو قرآن کا فرمان سب پر مقدم ہے"[1]

اموی حکومت میں دنیا کا پلڑا بھاری ہو رہا تھا ۔ آپ نے اسلامی اصول کے بموجب دین و دنیا دونوں کا معتدل توازن پیش کیا ۔ آپ کا نصب العین محض نظم و نسق کا اہتمام ہی نہ تھا بلکہ دین کی اشاعت، اخلاق کی اصلاح و تربیت ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی تھا ۔ حکام سے بھی آپ یہی توقع رکھتے تھے کہ محض سرکاری فرائض میں محدود نہ رہیں ۔ نیکی کی تبلیغ اور برائی کے استیصال میں برابر کوشاں رہیں ۔

---

[1] ابن کثیر ۔ سیوطی ۔ [2] ابن جوزی ۔

اموی خلفاء کی قوتِ اقتدار میں حُکام بھی حصہ بٹا لیتے تھے۔ رعیت پر بارہا ناروا سختی کرتے تھے۔ حضرت عمر ثانی حکام پر کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ ان کو اکثر خطوط لکھتے رہتے تھے اور ان کو فرائض سے آگاہ کرتے تھے۔ اموی راج جبر کے بل پر قائم تھا۔ لوگوں کو ادنیٰ ادنیٰ جرم پر خوفناک سزائیں ملتی تھیں۔ ایک شخص کے جرم پر پورے خاندان کو تباہ و برباد کر دیتے تھے۔ حضرتِ عمر بن عبدالعزیز نے آمریت کا یہ داغ آئین کے ماتھے سے دھو ڈالا اور حکم دیا کہ صرف مجرم کو سزا دی جائے۔

کسی کو سزا دینا منظور ہوتا تو آپ مجرم کو تین روز حراست میں رکھتے اور ان ایام میں اس معاملہ پر غور کرتے تاکہ عجلت میں زیادتی نہ ہو جائے۔[1] موصل کے حاکم نے لکھا کہ یہاں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں بہت ہوتی ہیں۔ کیا لوگوں کو شبہ پر سزا دوں یا ثبوت کے بعد؟ آپ نے لکھا کہ سنتِ نبوی کے موافق ثبوت طلب کرو ورنہ سزا نہ دو۔ اگر ان کی اصلاح حق سے نہیں ہوتی تو کبھی نہیں ہو گی۔[2]

۴۔ حق و عدل کا قیام

حکومت کا کارخانہ عدل و انصاف ہی سے درست چل سکتا ہے۔ ورنہ رعیت نالاں ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر ثانی کی بصیرت پر یہ راز بخوبی فاش تھا۔ آپ نے عدل و انصاف کا سکہ رواں کیا۔ آپ کی اصلاحات میں عدل و انصاف کے قیام کو مرکزی مقام حاصل ہے۔

حاکمِ خراسان نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ رعیت بہت بگڑ گئی ہے۔ کوڑے اور تلوار کے بغیر راہ راست پر نہیں ہو گی۔ آپ نے جواباً

---

[1] سیوطی [2] سیوطی۔

تحریر فرمایا، تم جھوٹ کہتے ہو کہ اصلاح کے لئے کوڑے اور تلوار کی ضرورت ہے۔ ان کی اصلاح حق و عدل سے ہوگی۔ ان سے خوب کام لو[۱]۔ ایک اور حاکم نے لکھا کہ شہر کی حالت خراب ہو گئی ہے آپ نے فرمان بھیجا کہ اس کے گرد عدل کی دیوار کھینچو اور رستوں سے ظلم دور کر دو[۲]۔

ایک دفعہ حمص کے بازار میں سوار چلے جا رہے تھے۔ ایک شخص نے سواری روک لی اور کہا کہ میرا انصاف کیجئے۔ آپ سواری سے اترے اور پوچھا کیا شکایت ہے؟ وہ بولا، ایک شخص نے میری زمین چھین لی ہے۔ آپ نے وہیں حاکم کو خط لکھا کہ اس کے معاملہ میں تحقیق کر کے فیصلہ کرو۔ آپ نے نالش کنندہ کو زادِ راہ کے لئے رقم دی[۳]۔

ایک عورت شکایت لے کر آئی۔ آپ نے فرمایا، بعد میں آنا، میں حکم لکھ دوں گا۔ پھر کہا، ٹھہرو، شاید جب تک زندگی نہ ہو۔ ابھی حکم لکھ دوں[۴]۔

مدینہ کے حاکم نے لکھا کہ فلاں شخص نے آپ کو گالی دی ہے۔ میرا ارادہ اسے قتل کرنے کا ہے۔ آپ نے جواب لکھا کہ اگر تم نے اسے قتل کیا تو میں قصاص میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ گالی کی سزا قتل نہیں سوائے اس کے کہ کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے۔

ایک شخص نے حاضر ہو کر شکایت کی کہ میں نے فصل بوئی تھی شامی لشکر ادھر سے گزرا اور اس نے برباد کر دی۔ آپ نے دس

---

[۱] سیوطی [۲] ابو نعیم صد ۳۰۵ [۳] ابو نعیم صد ۳۰۲ [۴] ابن عبد الحکم صد ۱۴۳ [۵] ابن عبد الحکم صد ۱۷۳۔

ہزار دینار ہرجانہ کے طور سے دے دیئے[1]

۳ - ظالم حکام کا استیصال حکومت کی اصلاح جبھی ممکن ہے کہ حکام کی اصلاح کی جائے اور ناقابلِ اصلاح حکام کو سزا دی جائے ۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اسی طرف توجہ دی ۔ خلیفہ سلیمان کو دفن کرنے کے بعد اسی جگہ جو احکام تحریر فرمائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ مصر کے صاحب الخراج اسامہ بن زید تنوخی کو قید کر دیا جائے اور صرف نماز کے وقت اس کی بیڑیاں اتاری جائیں ۔ دوسرا حکم یہ تھا کہ افریقیہ کے والی کو سبکدوش کر دیا جائے ۔ یہ والی بہت سنگ دل تھا[2] آپ نے ان سب حکام کو جن کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے علیحدہ کر دیا[3]

آپ نے عراق کے نامور والی یزید بن مہلب سے سلیمانی عہد کا حساب مانگا ۔ اس نے معذوری ظاہر کی اور کہا ، میرے اور سلیمان کے درمیان معاملہ واحد تھا ۔ آپ نے اسے قید میں ڈال دیا[4] آپ بیمار پڑے تو یزید جیل سے بھاگ نکلا اور خط لکھا کہ مجھے آپ کی زندگی کی امید ہوتی تو نہ بھاگتا ۔ آپ نے دعا کی" اے خدا ! لوگوں کو اس کے شر سے بچا[5]

آپ ایک طرف حضرت فاروق اعظم کو نیکی کی نظیر مانتے تھے اور دوسری طرف حجاج بن یوسف کو بدی کی مثال کے طور پر پیش کرتے تھے ۔ آپ نے عمال کو حکم دیا کہ حجاج بن یوسف کا طریقہ اختیار نہ کرو ۔ وہ ناوقت

---

[1] ابو نعیم ص ۳۲۵ [2] ابن عبد الحکم ص ۳۴ [3] ابن جوزی ص
[4] ابن کثیر [5] ابن کثیر

نماز پڑھتا تھا۔ اور نا واجب زکوٰۃ لیتا تھا لیے آپ نے حجاج کے سارے خاندان کو یمن کی طرف جلا وطن کیا اور وہاں کے حاکم کو لکھا میں تمہارے پاس آلِ عقیل کو بھیج رہا ہوں جو بد ترین عرب ہیں ان کی فرومائگی کے اندازہ سے صوبہ میں منتشر کردو[1] حجاج کا کل خاندان اس کے مظالم میں شریک تھا۔ اس لئے وہ اس سزا کے حق دار تھے۔

۴۔ حکام کو ذمہ داری کا احساس

اموی عہد میں اعلیٰ مناصب جاہ و حشمت اور عیش و عشرت کا سر چشمہ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر ثانی نے اس غلط فہمی کی اصلاح کی۔ ایک خط میں عہدہ داروں کو لکھتے ہیں جو آدمی سلطنت کے کسی امر میں آزمایا گیا وہ سمجھے کہ آزمائشِ عظیم میں ڈالا گیا ہے[2] خلافتِ راشدہ میں امارت کا یہی تصور تھا۔ چنانچہ لوگ ذمہ داری کے مناصب سے پہلو تہی کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں بھی وہی نقشہ نظر آنے لگا۔ آپ نے ایک صاحب کو کسی عہدہ پر مامور کرنا چاہا۔ اس نے انکار کیا۔ آپ نے بہت اصرار کیا تو اس نے جواب دیا کہ مجھے ذمہ داری اٹھانے میں اللہ تعالیٰ کا خوف آتا ہے[3]

۵۔ رشوت کا قلع قمع

آپ نے عمال کو رشوت خوری سے بچانے کے لئے اتنی تنخواہیں مقرر کر دیں کہ زندگی کی ضرورتیں انہیں نہ ستائیں[4]

---

[1] ابن جوزی [2] ابن جوزی [3] ابن عبد الحکم صہ ۸۷ [4] ابو نعیم [5] ابن جوزی۔

آپ کا اپنا یہ حال تھا کہ کسی کا تحفہ بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ قبول کیا کرتے تھے۔ آپ نے جواب دیا کہ تحفہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ ہوتا تھا۔ ہمارے لئے رشوت کا قائم مقام ہے[1] آپ نے اپنے لئے قبر کی جگہ بھی بیس دینار میں خرید کر مخصوص کر لی تھی[2]

۱۱۔ ناروا اموال کی واپسی

اموی خلفاء اور رؤساء نے سرکار اور عوام کی املاک چھین جھپٹ کر اپنے قبضہ میں کر لی تھیں۔ عمر ثانی نے اس کا تدارک کیا۔ نیز اموی تاجدار فے یا خاصہ کی زمین اپنے ذاتی تصرف میں لے آئے تھے حالانکہ ان کی آمدن سرکاری اخراجات میں لگنی چاہیے تھی۔ آپ نے یہ سب زمین سرکاری تحویل میں دے دی خود معمولی تنخواہ پر گزر کرتے تھے۔

فدک کی زمین جو ابتداء سے سرکاری اخراجات کے لئے وقف تھی بنو امیہ نے آپس میں بانٹ لی تھی۔ اس کا ایک حصہ حضرت عمر ثانی کے والد کے پاس بھی تھا۔ آپ نے یہ کل زمین سرکاری تصرف میں دے دی[3] آپ کو وراثتہً یمامہ میں کچھ زمین ملی تھی۔ یہ آپ کے ذاتی اخراجات کے لئے تھی۔ اس سے دست بردار ہو گئے[4] آپ کی زوجہ حضرت فاطمہ کے پاس ایک لونڈی تھی آپ کو معلوم ہوا کہ اسے زبردستی اپنے گھر سے جدا کیا گیا تھا۔ آپ نے

---

[1] سیوطی۔ ابو نعیم [2] ابن عبد الحکم صہ ۱۱۴ [3] ابن کثیر۔ ابن جوزی [4] ابن جوزی۔

اسے گھر والوں کے پاس لوٹا دیا[1]

آپ نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ اپنے زیور بیت المال میں جمع کر دو۔ انہوں نے تعمیل کی[2] آپ نے اپنی انگوٹھی کا نگینہ بھی بیت المال میں جمع کر دیا[3]

اموی شہزادوں کو حکومت کی طرف سے وظیفے ملتے تھے آپ نے بند کر دیئے۔ انہوں نے گلہ کیا تو فرمایا کہ تمہارا حق دیگر مسلمانوں سے زیادہ نہیں ہے[4]

ایک روز ظہر سے کچھ قبل عوام کو مسجد میں جمع کیا اور فرمایا، لوگوں نے ہمیں کچھ عطیے دیئے تھے جن پر نہ میرا حق ہے اور نہ دیگر آلِ مروان کا۔ آج وہ عطیے ہم تمہیں واپس کرتے ہیں۔ آپ کے پاس ایک تھیلا تھا۔ اس میں سابقہ خلفاء کے قبالے تھے۔ خود منبر پر بیٹھے اور ایک شخص کو یہ تھیلہ دے کر پاس کھڑا کیا۔ وہ ایک ایک قبالہ نکال کر پڑھتا اور حضرتِ عمر کے ہاتھ میں دیتا آپ کے ہاتھ میں قینچی تھی آپ قبالہ کو لے کر کاٹ دیتے۔ قبالے کاٹتے کاٹتے ظہر کی اذان ہو گئی[5]

لوگوں نے آپ کی انصاف پروری کا سنا تو حق طلب کرنے کے لئے جوق در جوق آنے لگے۔ چند عرب کاشتکار آئے اور نالش کی کہ ہم نے کچھ ویران زمین آباد کی تھی ولید نے چھین کر اپنے اعزّہ کو دے دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زمین خدا کی ہے اور بندے بھی خدا کے ہیں۔ جس

---

[1] ابن عبد الحکم [2] ابن کثیر [3] ابن جوزی [4] سیوطی [5] ابن جوزی۔

نے ویران زمین آباد کی وہ اسی کی ہو گی - زمین غریبوں لوٹادی[1]

خلیفہ ولید کے بیٹے عباس کے خلاف ایک بوڑھے شخص نے فریاد کی کہ اس نے میری زمین چھینی ہے - عباس نے کہا کہ مجھے ولید نے دی تھی اور فرمان لکھ دیا تھا - آپ نے فرمایا ولید کی تحریر پر اللہ کی کتاب مقدم ہے - زمین واپس کر دو[2]

اموی ارکان کی ظلم سے بنی ہوئی املاک ہاتھ سے نکل گئیں تو آپ کے پاس سفارش کے لئے گئے انہوں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا، مجھے چھوڑ دو ورنہ مکہ چلا جاؤں گا اور خلافت کسی اہل تر آدمی کے سپرد کر جاؤں گا[3]

ایک دفعہ بنو امیہ آپ کے دروازے پر اکٹھے ہوئے اور آپ کے بیٹے عبد الملک کی زبانی کہلا بھیجا کہ سابقہ خلفاء ہمیں عطیے دیتے تھے اور ہمارا حق پہچانتے تھے - آپ نے ہم پر دروازہ بند کر دیا ہے آپ نے جواب بھیجا کہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتا ہوں[4] آپ کا ایک رشتہ دار آیا اور تنگیِ رزق کی شکایت کی - آپ نے فرمایا موت کو کثرت سے یاد کیا کرو - رزق کی تنگی جاتی رہے گی[5]

آپ نے شہزادوں سے چھینا جھپٹی کا مال باری باری اگلوایا - ان کی تعداد بہت تھی - اس لئے یہ قدم یک بارگی نہیں اٹھا سکتے تھے تاکہ حکومت میں انتشار نہ پیدا ہو جائے[6]

آپ نے عمال اور عہدہ داروں سے بھی چھینا ہوا مال واپس دلوایا[7] حکیم عام جاری کیا کہ میں نے تمہیں مغصوبہ اموال واپس دلانے کا حکم

---

[1] ابن جوزی [2] ابن کثیر [3] ابن جوزی [4] ابن کثیر [5] ابو نعیم [6] ابو نعیم [7] ابن جوزی [8] موطا امام مالک -

دیا تھا۔ پھر میں نے منع کر دیا کیوں کہ لوگ جھوٹ دعوے پیش کرنے لگے۔ لیکن اب پھر حکم دیتا ہوں کہ اموال حق داروں کو پھیر دو۔ میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ بدگمانی کے ساتھ اموال واپس کروں بجائے اس کے روک رکھوں اور کل (آخرت کو) معاملہ کھل کر سامنے آجائے۔

۷۔ تاوانوں کی واپسی

حجاج بن یوسف نے عوام پر جس قدر تاوان لگائے تھے آپ نے سب واپس کر دیئے۔

۸۔ ظالمانہ ٹیکسوں کی تنسیخ

آپ سے پہلے اموی خلفاء نے عوام کو بوجھل ٹیکسوں سے زیر بار کر رکھا تھا۔ آپ نے یہ سب ٹیکس منسوخ کیے۔ اور حکم دیا کہ صرف وہی ٹیکس وصول کیے جائیں جو از روئے حق جائز ہوں۔ آپ نے ایک اعلان عام جاری فرمایا کہ نوروز اور مہرجان کے تحائف، فرامین کی قیمت، پیادوں کی اجرت، نقد کی پرکھ کرنے والے سرکاری ملازموں کے معاوضے اور عمال کی خوراک اور مہمانداری ممنوع ہے۔ اس نرمی کے باوصف آپ کے عہد میں حجاجی دور کی نسبت خراج بڑھ گیا تھا۔

۹۔ نومسلموں سے جزیہ لینے کی ممانعت

بنو امیہ اور ان کے امراء کی زر طلبی کا یہ عالم تھا کہ جو ذمی اسلام قبول کر لیتے ان سے بھی بدستور

۱؎ ابن عبد الحکم ۲؎ ابن جوزی ۳؎ ابن عبد الحکم ص ۷۵ ۴؎ ابن عبد الحکم ص ۱۴۶
۵؎ مستدرک باب ۱۹ ص ۱۴۲۔

جزیہ وصول کرتے تھے۔ یہ ٹیکس خلافِ اسلام تھا۔ اس کے برابر تنگ دلانہ ٹیکس شاید ہی کوئی اور ہو۔ آپ نے حکم دیا کہ کسی کلمہ گو سے جزیہ نہ لیا جائے اور نہ اسے ذمّی شمار کیا جائے۔[۱] ایک عامل نو مسلموں سے جزیہ لیتا تھا اور انہیں اسلام لانے سے روکتا تھا۔ آپ نے یہ لکھ کر اسے معزول کیا کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے وصولی کے لیے نہیں۔[۲] ایک حاکم نے لکھا کہ لوگ کثرت سے مسلمان ہو گئے ہیں اور جزیہ کم ہو گیا ہے۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا، کاش سب لوگ مسلمان ہو جائیں اور ہم تم کھیتی کر کے روزی کمائیں۔[۳]

۱۰۔ بیت المال کا صحیح مصرف

عمر ثانی سے قبل اموی بادشاہ بیت المال کو ذاتی ملک سمجھتے تھے اور اپنی خوشی سے خرچ کرتے تھے۔ آپ نے بیت المال کے بارہ میں خلافت راشدہ کا نظریہ زندہ کیا کہ یہ عوام کا مال ہے اور انہی کی ضرورتوں میں لگنا چاہیے۔ خلیفہ کا بیت المال کی تمریہ ایک رتی بھی حق نہیں۔ آپ نہ صرف خود بیت المال کے معاملہ میں بہت محتاط تھے بلکہ عمال اور دیگر عہدہ داروں پر بھی کڑی نگاہ رکھتے تھے۔

آپ کا سالانہ وظیفہ چار سو درہم تھا۔ یعنی تقریباً ایک درہم یومیہ۔ آپ کی خوراک بالعموم دال ہوتی تھی۔ ایک دفعہ بیوی سے پوچھا کیا تمہارے پاس ایک درہم نہیں جس سے انگور خریدوں؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ لیکن کیا امیر المؤمنین ہو کر بھی آپ کے لیے

---

[۱] ابن جوزی [۲] ابن کثیر [۳] ابن جوزی۔ ابو نعیم۔

ایک درہم دشوار ہے۔ فرمایا، ہاں۔ دوزخ میں پھنکنے سے یہ آسان تر سمجھتا ہوں[1]

آپ کے پاس روشنی کے لئے ایک شمع ہوتی تھی اور ایک دیا۔ شمع سرکاری تھی اور دیا ذاتی۔ شمع کو صرف سرکاری کام کے لئے روشن کرتے تھے[2]

ایک دفعہ ذاتی ضرورت کے لئے شہد منگوایا۔ معلوم ہوا کہ سرکاری جانوروں پر رکھ کر لایا گیا ہے۔ آپ نے شہد بیچ ڈالا اور رقم بیت المال میں جمع کر دی[3]

ایک بار گوشت منگوایا۔ نوکر سے کہا، بھُون لاؤ۔ وہ جلدی میں سرکاری مطبخ میں بھُون لایا۔ آپ کو معلوم ہوا تو اسے کہا، تم خود ہی کھا لو[4]

ایک دفعہ آپ کا ملازم سرکاری باورچی خانہ میں پانی گرم کر لایا۔ آپ کو علم ہوا تو ایک درہم کا ایندھن خرید کر بھجوا دیا[5] ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو یہ بھی منظور نہ تھا کہ آپ کے ذاتی کام کے لئے سرکاری جانور بلکہ سرکاری باورچی خانہ کی آگ تک استعمال ہو۔ حد یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال کی خوشبو آپ کے سامنے لائی گئی۔ آپ نے ناک پر کپڑا رکھ لیا اور کہا کہ خوشبو کا یہی تو فائدہ ہے کہ اسے سونگھا جائے[6]

(آپ نے یہ فائدہ اٹھانا قبول نہ کیا۔ اس لئے کہ خوشبو آپ کی نہ تھی، سرکاری تھی)

---

[1] سیوطی [2] ابن عبد الحکم، ابن کثیر [3] ابن جوزی [4] ابن جوزی [5] سیوطی
[6] ابن کثیر۔ ابن عبد الحکم ص ۴۴، ابو نعیم۔

آپ سے قبل خلیفہ کی ذات کے لئے تین سو محافظ اور تین سو سپاہی پولیس کے ہوتے تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ تقدیر میری پاسباں اور اجل محافظ ہے۔ تم میں سے جو جانا چاہے جا سکتا ہے[1]

تقریباً پچاس برس کے بعد دنیا کے سامنے ایک بار پھر خلافتِ راشدہ کا منظر آگیا کہ خلیفہ بغیر پہرہ اور حفاظتی دستہ کے عوام میں پھر رہا ہے۔

ایک دن سرکاری سیب تقسیم کر رہے تھے۔ ایک سیب آپ کے بچے نے اٹھا لیا۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ گھر آئے تو فرمایا، میں نے بچے سے سیب چھینا تو گویا اپنے دل سے کچھ نوچ لیا۔ لیکن یہ نہ چاہا کہ ایک سیب کے عوض اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم ہو جاؤں[2]

ایک حاکم نے کاغذ مانگے۔ اسے لکھا، قلم باریک کرو، سطریں قریب قریب لکھو، حاجتیں مختصر کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کا مال بے فائدہ خرچ کروں۔ مدینہ کے قاضی ابوبکر نے درخواست بھیجی کہ فجر کی نماز کو جانے کے لئے شمع کے پیسے چاہییں۔ آپ نے جواب دیا، مجھے معلوم ہے کہ ایک وقت بارش کی اندھیری راتوں میں تم پیدل جایا کرتے تھے۔ اور آج کل تو تمہاری حالت بہتر ہے[3]

وہب بن منبہ یمن کے صاحبِ بیت المال تھے۔ ان سے

---

[1] سیوطی [2] ابن جوزی [3] ابن جوزی۔ ابو نعیم

ایک دینار کھٹ گیا - آپ نے لکھا، میں آپ پر بے دینی یا بددیانتی کی تہمت نہیں لگاتا - لیکن نقصان کا الزام دیتا ہوں - آپ حلف اٹھایئے[1]

۱۱ - اخلاقی اصلاح

آپ نے عوام کی اخلاقی اصلاح کی طرف بہت توجہ دی - شراب کی بندش کی ہر امکانی کوشش کی - عورتوں کو پبلک حماموں میں غسل کرنے سے روکا اور مردوں کو ضرورت سے بڑھ کر بال سنوارنے سے منع کیا -

۱۲ - ایک بُری رسم کا انسداد

بنوامیہ کا طریقہ تھا کہ خطبۂ جمعہ میں حضرت علیؓ کے خلاف گستاخانہ فقرے کہتے تھے - آپ نے حکم دیا کہ آئندہ ایسے فقرے نہ دہرائے جائیں - اور ان کے بجائے خطبہ میں قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی جائے -

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾

۱۳ - اہل الذمہ کے حقوق کی بحالی

جس دورِ حکومت میں اسلامی رعیّت کے حقوق بحال نہیں رہے تھے وہاں غیر مسلموں کو انصاف کی توقع

---

[1] ابن جوزی - ابن عبد الحکم [2] سیوطی - الفخری -

ہوں کہ ہو سکتی تھی ۔ ان کی حالت بہت کمزور پڑ گئی تھی ۔ حضرت
عمر ثانی نے اس بات کا احساس کیا کہ غیر مسلم بھی سلطنت کے اعضاء
ہوتے ہیں ۔ ان کے کمزور پڑنے سے سلطنت کمزور ہو جاتی ہے۔
آپ نے ایک عامل کو لکھا ، اہل الذمہ کی طاقت بڑھاؤ ۔ انہیں
ہمارے ساتھ صرف سال دو سال نہیں رہنا ہے[1]

حجاج ذمیوں کے کندھوں پر مہر کر دیتا تھا ۔ آپ نے یہ ظالمانہ
طریقہ منسوخ کیا[2]

اسلام نے اہل جزیہ کے جو حقوق متعین فرمائے ہیں وہ بحال
ہوئے ۔ ان کو مذہبی آزادی حاصل ہوئی ۔ کوئی شخص ان پر ظلم
نہیں کر سکتا تھا ۔ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو مار ڈالا تو آپ
نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا[3]۔ ایک مسلمان نے
ایک ذمی کے گھوڑے کو بیگار میں پکڑا ۔ آپ نے اس مسلمان کو
چالیس کوڑے لگوائے[4]

بربر کے ایک قصبہ لواتہ کی کچھ لونڈیاں مسلمانوں کے ہاں تھیں
حضرت عمرؒ نے حکم دیا کہ یا تو ان کے آباء کی اجازت سے کر ان
سے نکاح کرو یا انہیں گھروں کو لوٹا دو[5]

سابقہ ایام میں اہل جزیہ کے ساتھ جو بے انصافیاں ہوئی تھیں،
آپ نے ان کی تلافی کی ۔

---

[1] ابن عبد الحکم صد ۱۰۶ [2] ابو نعیم صد ۳۰۶

[3] تاریخ اسلام شاہ معین الدین بحوالہ نصب الرایہ

[4] " " " " " " " " ابن سعد

[5] بلاذری صد ۲۵۵ ۔

متفرق کارنامے

رفاہِ عامہ

۱۔ اشاعتِ علم :۔ آپ کو علم کی ترقی سے بہت لگاؤ تھا۔ کہا کرتے تھے ، اگر ہو سکے تو عالم بنو ورنہ متعلم ہو جاؤ۔ اور اگر یہ دونوں کام نہ کر سکو تو متعلم سے محبت رکھو اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو ان سے بغض نہ رکھو[1]۔ آپ نے اہلِ علم کو حکم دیا کہ مسجدوں میں علم کی نشر اشاعت کریں کیوں کہ سنت سے لوگ غافل ہو گیے ہیں[2]۔ آپ نے کتابتِ حدیث کی پُر زور تحریک چلائی اور علماء کو لکھا حدیث کو احاطۂ تحریر میں لاؤ ایسا نہ ہو کہ یہ علم کھو جائے۔

۲۔ سرکاری مہمان خانے : آپ نے بعض جگہوں میں مہمان خانے بنوائے جہاں مسلمان مسافروں کے لئے ایک دن تک سرکاری طور سے اقامت اور خوراک کا اہتمام ہوتا تھا[3]۔

۳۔ نہرِ ابن عمر : آپ نے زرِ کثیر خرچ کر کے عراق میں ایک نہر کھدوائی جسے نہر ابن عمر کہا کرتے تھے۔

۴۔ آپ نے معذوروں کی خدمت کے لئے خدام مہیا کیے[4]۔

۵۔ مقروضوں کے بارے میں بالخصوص جو وفات پا چکے تھے حکم دیا کہ ان کے قرض بیت المال سے ادا کیے جائیں[5]۔

---

[1] ابن عبد الحکم ص ۱۳۷ [2] ابن جوزی [3] ابن اثیر۔
[4] ابن عبد الحکم ص ۵۵
[5] ابن عبد الحکم ص ۶۷ و ص ۱۷۱۔

۶- سلیمان نے قسطنطنیہ کے محاذ پر ایک مہم بھیجی تھی جو بہت تکالیف میں مبتلا تھی - سلیمان اس کو واپس نہیں بلانا چاہتا تھا[1] عمر ثانی خلیفہ ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ اس کی واپسی کا حکم بھیجا[2] رومیوں کے ہاتھ میں مدت سے مسلمان اسیر مصیبت کے دن گزار رہے تھے - آپ نے رومی اسیر اور قیدی رسے کو چھوٹے بڑے ، مرد ، عورت اور غلام و آزاد سب کو رہا کرایا اور انہیں آزادی ملنے پر مبارک باد بھیجی[3] آپ نے عمال کو حکم بھیجا کہ قیدیوں کو آزاد کراؤ چاہے خزانے خالی ہو جائیں[4]

۷- آپ نے تمام اسلامی قلمرو میں باٹ اور ناپ یکساں کر دیئے[5]

۸ اشاعت اسلام : آپ نے غیر مسلم بادشاہوں کو قبول اسلام کے دعوت نامے لکھے - ان کے جواب میں راجہ داہر کا بیٹا جلسیہ اور چند دیگر ہندوستانی راجے اسلام لائے - ان کے عربی نام رکھے گئے اور انہیں ملک پر بحال رہنے دیا گیا[6] آپ کی دعوت پر ماوراء النہر کے بعض لوگ بھی اسلام لائے[7]

نظم و ضبط

حضرت عمرؒ نے بے مثال نظم و ضبط قائم کیا - آپ کا دور اصلاحات کا دور ہے - جب فرماں روا کو ہر شعبۂ حکومت اور شعبۂ حیات میں اصلاحات نافذ کرنا ہوں اس کے خلاف قدم قدم پر شورش کا خطرہ ہوتا ہے - لیکن آپ کا دورِ خلافت

---

۱ ابن عبد الحکم ۲ ابن عبد الحکم صہ ۱۷۰ ۳ ابو نعیم صہ ۲۹۰ ۴ ابو نعیم صہ ۳۱۲
۵ ابن عبد الحکم صہ ۹۸ ۶ ابن اثیر ذکر ۹۵ھ
۷ بلاذری صہ ۴۲۶ -

انتہائی سکون اور امن کا دور ہے۔ آپ نے پیش بینی سے کام لیا۔ سب سے زیادہ سختی آپ نے اموی ارکان پر کی۔ ان کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ آپ نے اس کے انسداد کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان سے باری باری درجہ بدرجہ مظالم کی تلافی کروائی۔ آپ کا دستور تھا کہ حتی الوسع نرمی اور دل جوئی سے کام لیتے تھے خوارج تک آپ کے حسنِ عمل اور حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر خموش ہو گئے۔ لیکن جہاں آپ دیکھتے تھے کہ سختی بغیر چارہ نہیں تو کوڑے یا تلوار کو ہاتھ میں لینے سے نہیں ڈرتے تھے۔ کتنے ہی حکام آپ کے ہاتھوں معزول ہوئے یا کوڑوں سے پیٹے یا قید و بند میں بند ہوئے۔

ولید بن عبد الملک کا ایک اجڈ سا بیٹا روح نام تھا۔ اس نے حمص کے شہر میں لوگوں کی دکانیں قبضہ میں کر لی تھیں۔ عمر بن عبد العزیز کے پاس شکایت آئی۔ آپ نے روح کو حکم دیا کہ دکانیں واپس کر دے۔ شاکی واپس ہوئے تو روح نے ایک شاکی کو دھمکی دی۔ اس نے لوٹ کر حضرت عمرؒ کو اطلاع کی۔ آپ نے ایک افسر کو حکم دیا کہ جاؤ اور دیکھو، روح دکانیں واپس کر دے تو بہتر ورنہ اس کا سر کاٹ لاؤ۔ روح کو معلوم ہوا تو دکانیں واپس کر دیں[1] بنو مروان آپ کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک اموی نے آپ کو نازیبا خط لکھا۔ آپ طیش میں آگئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کو بنو مروان کا ذبح کرانا منظور ہے۔ یہ گلو تراشی کہیں میرے ہاتھ واقع نہ ہو۔ بنو امیہ تک یہ کلمات پہنچے تو ایسی حرکتوں سے با

---

[1] ابن عبد الحکم صد ۵۹۔ ابو نعیم صد ۲۸۱ و ۲۸۳ [2] ابن عبد الحکم صد ۵۹

آ گئے کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت عمرؓ جب کوئی عزم کر لیتے ہیں تو رکتے نہیں[1]

حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ جو شخص ہمیں کسی ظلم کی اطلاع دے گا یا ایسی بات کی جس سے خاص و عام کو فائدہ پہنچے اس کو تین سو دینار تک انعام ملے گا[2]

وفات

آپ نے ۲½ برس کی خلافت کے بعد بیس روز بیمار رہ کر انتقال فرمایا۔ رحلت غالباً سِل کے مرض سے واقع ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بنو امیہ نے آپ کے ملازم کو ایک ہزار دینار رشوت دے کر کھانے میں زہر دلوا دی تھی جس سے آپ وفات پا گئے[3] لیکن یہ بیان درست نظر نہیں آتا کیونکہ زہر اپنا کام کرنے میں بالعموم اتنی مدت نہیں لیتی۔

آپ نے زندگی کے ابھی چالیس برس بھی پورے نہیں کیے تھے۔

اوصاف و اخلاق

حضرت عمر ثانی صاحب علم، ماہر فقہ اور بلند پایہ متقی و پرہیزگار تھے۔ بڑے بڑے علماء آپ کے سامنے شاگرد نظر آتے تھے[4] آپ کے فتوے اسلامی فقہ میں سند ہیں۔

آپ از بس سادہ، متواضع اور مساوات پسند تھے۔ آپ کے عہدۂ خلافت سنبھالنے کے بعد لوگ آپ کی تعظیم کو کھڑے

---

[1] ابو نعیم صہ ۲۸۴ - [2] ابن عبد الحکم صہ ۱۴۱ [3] ابن اثیر - ابن کثیر - [4] ابو نعیم صہ ۳۴۹ -
سیوطی - ابو نعیم -

ہوئے۔ آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ میرے سامنے مت کھڑے ہو۔ صرف خدا کے آگے کھڑے ہونا چاہیے[1] ملازموں کو سلام کہنے میں پہل کرتے تھے[2] ایک دفعہ ایک جنازہ میں شریک ہوئے لوگوں نے چٹائی بچھا دی۔ آپ نے اسے پاؤں سے ہٹا دیا اور عوام کے ساتھ فرشِ زمین پر بیٹھے[3]

ایک رات رجاء بن حیوۃ کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے۔ دیا کی لو کملائی۔ ایک طرف خادم سو رہا تھا۔ حضرتِ رجاء نے کہا، اسے جگاتا ہوں کہ اٹھ کر بتی اکسائے۔ عمر بن عبد العزیز خود اٹھے اور روشنی درست کر کے فرمایا، جب میں اٹھا تو عمر بن عبد العزیز تھا۔ اور دیا ٹھیک کر کے واپس آیا ہوں تو اب بھی عمر بن عبد العزیز ہی ہوں[4]

سادگی کا یہ عالم تھا۔ کہ مرض الموت کے ایام میں آپ کے پاس ایک ہی لباس تھا جسے پہن رکھا تھا[5]

آپ کے بیٹے عبد الملک بہت پارسا، عوام پرور اور اصول پرست تھے۔ آپ کے دستِ راست تھے۔ انہوں نے عین جوانی میں وفات کی۔ آپ ایک دن ان کی تعریف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا، اگر آج وہ زندہ ہوتے تو آپ انہیں جانشین کر جاتے فرمایا: نہیں۔ عین ممکن ہے وہ مجھے اس لئے اچھا نظر آتا ہو کہ میرا بیٹا تھا[6]

---

[1] ابن عبد الحکم صہ ۳۷ ۔ [2] ابن عبد الحکم صہ ۳۸ [3] ابو نعیم صہ ۲۸۹ [4] سیوطی ۔ ابو نعیم [5] سیوطی
[6] سیوطی

قبولِ عامہ

عامۃ الناس کو آپ سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ حج کے ایام میں آپ کی محبوبیت دیکھ کر آپ کے ایک معاصر نے کہا، لوگوں کی یہ محبت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی آپ سے محبت ہے[1] حضرت سعید بن المسیب امراء کے دروازوں پر نہیں جاتے تھے۔ لیکن آپ کے پاس حاضر ہونے میں عار نہیں کرتے تھے[2]

خلافتِ راشدہ کے بعد یہ محبوبیت کسی فرماں روا کو حاصل نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ شاہِ روم نے بھی آپ کی وفات کا شن کر کہا، اگر عیسیٰ کے بعد مُردوں کو زندہ کرنے والا کوئی شخص ہوتا تو عمر بن عبد العزیز ہوتے[3]

خلافتِ عمر کے دور رس نتائج

حضرت عمر بن عبد العزیز نے طرزِ حکومت میں ایک خاموش انقلاب برپا کیا۔ یہ انقلاب بظاہر آپ کی وفات کے بعد باقی نہ رہ سکا کیوں کہ آپ کو مددگار میسّر نہ تھے۔ آپ کی مثال ایک کامل صنّاع کی تھی جس کے پاس اوزار نہ ہوں۔ تاہم آپ کی مختصر سی مدّتِ خلافت کے نہایت گہرے اور دور رس نتائج تھے۔

عوام بنو امیہ کی چیرہ دستی سے نالاں تھے۔ انھوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی حکومت میں خلافتِ راشدہ کا رنگ دیکھا تو ہر طرف اطمینان کی لہریں موجزن ہوئیں۔ انھیں آسرا لگا کہ اب جان و مال اور عزت کے احترام کے دن آگئے ہیں۔ لیکن آپ کی وفات

---

[1] صحیح مسلم [2] تہذیب التہذیب [3] ابو نعیم ص ۲۹۰

کے بعد جب ان کے ارمانوں کا خون ہو گیا اور ایسے تاجداروں سے واسطہ پڑا جنہیں اخلاق و مروّت سے کوئی لگاؤ نہیں تھا تو بنو امیہ کے خلاف شدید کینہ کے جذبات پروان چڑھنے لگے شورش و اضطراب کے طوفان چل نکلے۔ اموی شہریاروں کو چین کا سانس لینا نصیب نہ ہوا۔ عباسی تحریک کی مقبولیت بڑھتی اور اموی حکومت متزلزل ہو گئی۔

یزید ثانی بن عبد الملک

۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ

۷۱۹ء تا ۷۲۴ء سے یہ عیسوی بیٹھتا ہے

یزید بن عبد الملک خلیفہ ہوا تو شروع میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی سیرت اختیار کی اور کہا کہ وہ مجھ سے بڑھ کر رضائے الٰہی کے محتاج نہ تھے لیکن چالیس روز کے بعد اچانک عادت بدل ڈالی[1] اس کی دو لونڈیاں تھیں۔ حبابہ اور سلامہ[2] وہ ان کی محبت میں ایسا کھویا کہ حکومت کی کچھ خبر نہ رہی[3]

آلِ مہلب کی ہلاکت

یزید بن عبد الملک کو یزید بن مہلب سے دیرینہ عناد تھا۔ اس کی وجہ

---

[1] سیوطی [2] فخری [3] مسعودی

یہ تھی کہ ابن مہلب نے سلیمان کے حکم سے حجاج بن یوسف کے خاندان سے چھینا جھپٹی کا مال اگلوانے میں بہت شدت کی تھی حجاج کی ایک بھتیجی یزید بن عبد الملک کی بیوی تھی۔ ابن مہلب نے اس کے ساتھ بھی اور بقولِ بعض اس کی بہن پہ بہت سختی کی۔ یزید سفارش کے لئے ابن مہلب کے مکان پہ گیا تو اس نے ان سنی کر دی۔ یزید نے دھمکی دی کہ میں خلیفہ ہوا تو تمہیں تلوار سے تراش ڈالوں گا۔ ابن مہلب نے جواب دیا کہ تم نے ایسا کیا تو میں تم پر ایک لاکھ تلواریں برساؤں گا[1]

یزید بن مہلب کو حضرت عمر بن عبد العزیز نے غبن کی پاداش میں قید کر رکھا تھا۔ حضرت عمر مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ابن مہلب جیل سے فرار ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ یزید بن عبد الملک انتقام لے گا۔

ابن مہلب ہاتھ سے نکل گیا تو یزید بن عبد الملک نے اس کے تین بھائیوں۔ مفضل، حبیب اور مروان کو جو بصرہ میں تھے جیل میں ڈلوا دیا۔ ابن مہلب بصرہ آیا۔ یہاں کے لوگوں میں وہ ہر دلعزیز تھا۔ اس نے نہایت آسانی سے بصرہ پر قبضہ کیا اور اس کے اضلاع پر حکومت قائم کر لی۔ اس نے عوام کو بنو امیہ کے خلاف جوش دلانا شروع کیا۔ ایک تقریر میں کہا کہ میں کتاب و سنت اور جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتا ہوں۔ شامیوں کے ساتھ جہاد کرنا ترک و دیلم کے جہاد سے افضل ہے۔ حضرت حسن بصریؒ موجود تھے۔ انہوں نے پکار کر کہا، ہمیں تمہاری ولایت اور حکومت کا تجربہ ہے تمہارے

---

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر۔

منہ سے یہ باتیں انوکھی لگتی ہیں۔ ابن مہلب کے ساتھیوں نے لپک کر حضرت حسن کا منہ بند کر دیا۔ حضرت حسن اس کے بعد بھی لوگوں کو اس سے خبردار کرتے رہے لے

خلیفہ نے ابن مہلب کے خلاف پے در پے کئی لشکر بھیجے ایک بار جب شاہی فوج مسلمہ بن عبد الملک کے زیر قیادت ابن مہلب کے مقابلہ پر میدان میں آئی تو ابن مہلب کی فوج بھاگ نکلی۔ اس کے ساتھ مختصر سی جماعت رہی۔ تاہم وہ نہ گھبرایا اور بہادرانہ جان دی۔ اس کا بھائی بھی اس جنگ میں کھیت رہا مفضل اپنے دیگر تین بھائیوں اور اہلِ خاندان کو لے کر قندابیل، (سندھ) کی طرف فرار ہو گیا۔ اس کے ساتھ کچھ مددگار تھے۔ ان میں سے اکثر راہ سے پلٹ آئے۔ قندابیل کا حاکم آلِ مہلب کا پروردہ تھا لیکن اس نے ان کے خلاف تلوار بے نیام کر لی۔ ایک ہلکی سی جھڑپ میں مہلب کے سب بیٹے مارے گئے۔ مستورات اور دیگر ارکان کو قید کر کے خلیفہ کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ مہلب کے نامور خاندان کا یوں انجام ہوا

آلِ مہلب یمنی تھے۔ ان کی بربادی پر یمنی قبائل تلملا گئے۔ یمانیہ اور مضر کے درمیان دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی۔

بغاوتیں اور شورشیں

یزید بن عبد الملک کے خلاف عوام میں ہر کہیں ناراضی کے آثار نظر آنے لگے۔ ایک تو آلِ مہلب کے ہوا خواہ اس سے متنفر تھے اور دوسرے ٹیکسوں کی وجہ سے عوام برگشتہ ہونے لگے۔ حضرت

لے ابن اثیر

عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں بہت نرمی اور رواداری کا سلوک ہوتا تھا اب دوبارہ حجاج کی پالیسی پر عمل ہوا تو سپین، افریقیہ اور ماوراء النہر ہر کہیں بغاوت کے جھنڈے کھڑے ہو گیے۔

خوارج :-

خوارج نے ایک بار پھر سر اٹھایا۔ لیکن اب ان میں پہلے سے دم خم نہ تھے۔ شکست کھا کر دب گیے۔

افریقیہ :-

یہاں کے والی نے نو مسلموں پر جزیہ عائد کیا۔ لوگوں نے اسے مار ڈالا اور بغاوت پھیل گئی۔

ماوراء النہر :

ترکوں نے حسبِ عادت غداری کی اور اپنے ہاں کے مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ اسلامی افواج نے پہنچ کر انہیں چھڑایا اور جہاں جہاں بغاوت کا دورہ تھا ختم کیا۔

خزر :-

آذربائیجان کے لوگوں نے جو خزر کہلاتے تھے اسلامی فوج کو شکست دی اور ان کے ساتھ طویل معرکے چھڑ گیے۔ طرفین کا بہت نقصان ہوا۔

رومی محاذ :

یزید کے عہد میں رومی محاذ پر بدستور سرگرمی رہی — مجاہدین نے کچھ مزید علاقے لیے۔

وفات | یزید نے ۱۰۵ ہجری میں چالیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس کی وفات کا قصہ یہ ہے کہ اس کی ایک

محبوب لونڈی حبابہ نے اچانک رحلت کی۔ یزید نیم دیوانہ ہو گیا
اس کی میت کو دفن نہیں ہونے دیتا تھا۔ تین روز بعد جب
حبابہ کا میت سڑنے لگا تو مشکل سے اسے چھڑا کر دفن کیا گیا
یزید سل کا مریض تھا۔ اس صدمہ نے اور ستم کیا۔ پندرہ روز اس
غم میں گھل کر جان دے دی[1]

---

[1] ابن اثیر۔

ہشام بن عبدالملک

۱۰۵ھ تا ۱۲۵ ہجری

یزید ثانی کی مسند اس کے بھائی ہشام نے سنبھالی۔ یزید ثانی کے عہد میں حکومت کی چولیں بہت ڈھیلی ہو چکی تھیں اور ہر شعبہ میں بگاڑ راہ پا چکا تھا۔ ہشام نے تمام خرابیوں کی بیخ کنی کی ٹھان لی۔

جنگی مُہمات

ہشام کے عہد میں جنگ کے محاذ سب سرحدوں پر گرم رہے۔ مثلاً:

۱۔ سندھ: جنید والیٔ سندھ نے راجہ داہر کے بیٹے جلیسہ سے بگاڑ پیدا کر لیا۔ جلیسہ مرتد ہوا اور مقابلہ کر اٹھا۔ ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ جلیسہ گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اس کے بعد

اسلامی افواج نے فتوحات کا دائرہ خوب پھیلایا آذین (اُجین) اور مالبہ (مالوہ) تک چھا گئیں۔ جُنید کے بعد یہ علاقے ہاتھوں سے نکل گیے اور بڑی مشکلوں کے بعد واپس ملے۔ عرب سپاہ کی اقامت کے لئے دو شہر آباد کیے گیے۔ ایک کا نام محفوظہ تھا جو سندھ کے شرقی کنارے تھا۔ دوسرے کا نام منصورہ تھا، یہ سندھ کی غربی سمت تھا۔[1]

۲۔ ترکستان: یہ ایک وسیع اور پُر خطر محاذ تھا۔ پُر پیچ گھاٹیوں میں ہر جگہ بغاوت کے شعلے لپک رہے تھے۔ ہشامی افواج قدم قدم پر جانی اور مالی نقصان سے دوچار ہوئیں۔ مہم کا سررشتہ حاکم خراسان کے ہاتھ میں تھا۔ ہشام کو آئے دن کی ناکامیوں کے سبب پے در پے خراسان کے حاکم بدلنا پڑے۔ چار برس بعد (۱۰۹ھ میں) اس منصب پر اشرس سلمی کی باری آئی۔ اس نے شمشیر کی جگہ تدبیر اور تبلیغ سے کام لیا۔ لوگوں کو اسلام کے دعوت نامے بھیجے۔ قبیلوں کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے لیکن جزیہ بہت گھٹ گیا تو اشرس کو فکر لگی۔ اس نے صاحبُ الخراج کو لکھا کہ لوگ محض جزیہ سے بچنے کے لئے اسلام کا نام لے رہے ہیں جو آدمی فرائض کا پابند اور قرآن حکیم کی کم از کم ایک سورت پڑھ سکتا ہے صرف اس سے جزیہ اٹھاؤ۔ اس اقدام پر نومسلم بگڑ بیٹھے۔ ایک صاحب ابو الصیداء نام تبلیغ پر مامور تھے! انہوں نے بھی نومسلموں کا ساتھ دیا اور بعض دیگر قدیمی مسلمان بھی احتجاج

---

[1] بلاذری

میں شریک ہوئے۔ اشرس نے گاہے حیلہ اور گاہے جبر سے کام لیا۔ اس نے ابو الصیداء اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کیا اور عجم کے سرداروں کی تذلیل کی۔ لوگ اور بھڑک گئے۔ بغاوت کی آگ تیز تر ہوئی۔ کئی لوگ مرتد ہو گئے۔ ترکی قبائل ان کی مدد کو آ گئے۔ سخت و تند معرکے ہوئے۔ دو سال بعد (۱۱۱ھ میں) ہشام نے اشرس کو الگ کر کے جُنید کو مامور کیا۔ اس عرصہ میں ترکستان کا خاقان بھی مسلمانوں کے خلاف میدان میں آ چکا تھا۔ جُنید پانچ برس اس کے ساتھ اُلجھا رہا۔ جنگ کے پلڑے تقریباً برابر رہے۔ کبھی مسلمان زک اٹھاتے اور کبھی خاقان کا لشکر ہار کھا جاتا۔ ۱۱۶ ہجری میں ہشام نے جُنید کی جگہ عاصم ہلالی کو دی۔ اب ایک مسلمان سردار حرث (یا حارث) نے سرتابی اختیار کی۔ عاصم نے ہشام کو لکھا کہ یہ تلاطم اس وقت تک نہیں تھمے گا جب تک خراسان کو عراق کے صوبہ میں نہ ملایا جائے۔ ہشام نے یہ تجویز منظور کی اور متحدہ صوبہ پر عبداللہ بن خالد قسری کا تقرر کیا۔ عاصم کو امید تھی کہ یہ عہدہ اسے ملے گا۔ اب جب پانسہ اس کے خلاف پڑا تو اسے خود مختاری کی سوجھی۔ اس نے حرث سے اتحاد کرنا چاہا لیکن شامی فوج نے انکار کر دیا۔ عاصم نے دوبارہ حرث سے جنگ چھیڑی اور اسے فیصلہ کن شکست دی۔ لیکن حکومت کی نگاہ میں اپنا گناہ نہ دھو سکا۔ اس کے جانشین اسد نے آتے ہی اسے گرفتار کر لیا۔

اسد نے حرث کا زور بالکل توڑ دیا۔ وہ خاقان کے سایہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ خاقان کو اس کے ایک برگشتہ

امیر کو رصول نے قتل کر دیا۔ کورصول نے اہل اسلام سے جنگوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

دو سال بعد ۱۲۰ ہجری میں اسد نے وفات پائی۔ اس کی جگہ نصر بن سیار نے لی۔ اس نے نظامِ کار کی اصلاح کی۔ مظالم کا انسداد کیا۔ صیغۂ خراج کو درست کیا اور نو مسلموں سے جزیہ ہٹایا[1]

کورصول گرفتار ہو کر انجام کو پہنچا۔ ترکستانیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور جگہ جگہ سے صلح کی پیش کش ہونے لگی۔ صُغد کے ساتھ نصر کی جو شرائط طے ہوئیں وہ یہ تھیں کہ کوئی نو مسلم مرتد ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں ہوگی۔ کسی کو تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ قبائل کے پاس جو مسلمان قیدی ہیں اُن کا قضیہ قاضی کے سامنے پیش ہوگا اور وہ گواہیاں سن کر فیصلہ کرے گا[2]

۳۔ آرمینیہ اور آذر بائیجان: ان علاقوں کے باشندوں نے آرمینیہ کے والی کو ہلاک کر دیا اور موصل تک بڑھ آئے۔ بڑی مشکل سے انہیں روکا گیا۔ مروان بن محمد نے ۱۱۴ ہجری میں بیس ہزار فوج کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ وہ بہت ثابت قدم اور قابل سپہ سالار تھا۔ ترک اس سے دب گئے۔ بحرِ خزر کے کنارے جس قدر علاقے تھے اس کے مطیع ہو گئے[3]

۴۔ رومی محاذ: اس محاذ پر ہشام کا بھائی، اس کا عم زاد مروان بن محمد اور دیگر امراء معرکہ آرا رہے۔ انہوں نے ایشیا ئے

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر [3] ابن اثیر۔

کوچک کے کئی شہر فتح کیے اور نصف سے زائد حصہ پر چھا گیے۔ بحری بیڑہ ان کی مدد پر مصروفِ کار رہا۔

۵۔ بربر۔ طنجہ کا والی نہایت بد سیرت تھا۔ اس نے بربر کے مسلمانوں پر خمس لگایا۔ مسلم و غیر مسلم سب باغی ہو گیے۔ ان کا سرغنہ ایک خارجی سردار تھا۔ باغیوں نے طنجہ پر قبضہ کر لیا چند روز بعد انہوں نے خارجی سردار کو مار دیا لیکن بدستور باغی رہیے۔ عربوں نے ان معرکوں میں بہت جانی نقصان اٹھایا۔ ایک معرکہ میں تو انہوں نے ناقابلِ فراموش ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ ان کے سردار چٹانوں کی طرح جم گیے کٹ کٹ کر گرے لیکن پیچھے نہ ہٹے۔ اس جنگ کا نام جنگِ اشراف پڑا۔ ہشام نے ۱۲۳ ہجری میں ایک جرار لشکر بھیجا۔ بربر نے اسے ہزیمت دی لیکن شاہی افواج بدستور سرگرم رہیں۔ باغیوں نے ۱۲۴ ہجری میں قیروان پر حملہ کر دیا۔ اب زندگی اور موت کا سوال تھا۔ علمائے شہر نے جہاد کی منادی کی۔ عورتوں نے میدان میں نکل کر جوش دلایا۔ شاہی فوج بے جگری سے دشمن پر ٹوٹ پڑی بربر تقریباً ۲ لاکھ لاشیں چھوڑ کر بھاگ گیے۔ ان کا سردار حنظلہ مارا گیا۔ یہ دو ٹوک فتح تھی ۔ اس کے بعد بربر کے حوصلے ماند پڑ گیے۔ لیکن اس جنگ و فساد کی چنگاریاں اڑ کر اندلس پہنچیں اور وہاں کے خرمنِ امن کو جلا دیا۔ اندلس میں بربر، اہلِ شام اور فہریوں کی گروہ بندی ہو گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے پر تلواریں سونت لیں[1]

---

[1] ابن اثیر ذکر سنہ ۱۲۷ھ وغیرہ

۶۔ فرانس : ہشام کے عہد میں مجاہدین نے جنوبی فرانس میں دور تک قدم بڑھا لیے۔ یورپ کے فرماں رواؤں نے اس پیش قدمی کو روکنے کے لئے اتحاد کیا۔ ۱۱۴ ہجری میں ٹوورز (TOURS) کے مقام پر لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ چھ روز معمولی جھڑپیں ہوئیں ساتویں روز فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ امیر عبدالرحمٰن جو اندلس کے والی تھے سو زخم کھا کر شہید ہوئے۔ اسلامی افواج پسپا ہو گئیں۔ اس جنگ کے بعد اسلامی عساکر کے قدم دوبارہ فرانس کی طرف نہ بڑھے اس لئے اسے یورپ کی تاریخ میں بے اندازہ اہمیت حاصل ہے۔ یورپی افواج کا قائد فرانس کا نواب اعظم چارلس تھا۔ اسے مارٹل MARTEL یعنی ہتھوڑے کا خطاب ملا۔ یورپ والے چارلس پر بہت فخر کرتے ہیں[1]

۷۔ متفرق فتوحات : صقلیہ (۱۰۹ھ) سوس (۱۱۶ھ) سوڈان (۱۱۶ھ) اور سردانیہ (۱۲۲ھ) پر فاتحانہ یلغاریں ہوئیں[2]

حضرت زید بن علی کی شہادت

حضرت زید حضرت امام زین العابدین کے فرزند تھے اور ان کی طرح خواص و عوام کا مرجع تھے ہشام کو یہ مقبولیت کھٹکتی تھی۔

خالد حاکمِ مدینہ نے حضرتِ زید کے ساتھ گستاخانہ سلوک کیا۔ حضرتِ زید شکایت لے کر ہشام کے پاس گیے۔ وہ حقارت سے پیش آیا اور آپ کو طعنہ دیا کہ کنیز زادے ہو کر خلافت کی تمنا کرتے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ حضرتِ اسماعیل ایک

---

[1] ابن اثیر۔ لین پول [2] ابن اثیر۔

لونڈی کے فرزند تھے اور ان کا بھائی آزاد عورت کے بطن سے تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کو ترجیح دی اور ان کی اولاد میں سید البشر صلی اللہ علیہ وسلّم کو پیدا کیا۔ اے ہشام! جس کا نانا سرورِ دو عالم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہو اور دادا علی رضؓ ہو اس کے لیئے لونڈی کے بطن سے ہونا کوئی مضائقہ نہیں ہشام نے آپ کو اپنے پاس سے اٹھوا دیا۔ آپ کوفہ چلے گیے[1]

قیام دمشق کے دوران ایک دفعہ جب آپ ہشام کے پاس سے اٹھ کر آئے تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ جو آدمی دنیا سے محبّت رکھتا ہے وہ ضرور ذلت اٹھاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ دمشق سے اموی استبداد سے چھٹکارا پانے کا تہیہ کر کے روانہ ہوئے۔ آپ کوفہ تشریف لائے تو آپ کی نیک نفسی اور شیریں کلامی نے بہت جلد اہل عراق کو مسحور کر لیا۔ لوگ ہجوم در ہجوم آپ کے حلقۂ ارادت میں خفیہ طور سے داخل ہو گیے۔ یوسف بن عمرو والی عراق نے آپ کو شہر سے نکال دیا۔ حضرت زید شہر سے نکل کر کچھ دُور آگے تھے چالیس ہزار شمشیر بردار کوفی آپ کے پاس حاضر ہوئے اور حمایت کا یقین دلا کر بنو امیہ کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور کیا۔ آپ نے فرمایا، اے کوفہ والو! میں ڈرتا ہوں کہ تم مجھے ایسا چھوڑ دو گے اور دشمن کے حوالے کر دو گے۔ اہل کوفہ نے قسمیں کھائیں اور آپ کو واپس لائے[2]

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر۔

والیِ کوفہ کو معلوم ہوا تو حضرت زید کی تلاش میں آدمی مقرر کیے۔ حضرت زید نے برسرِ میدان آنے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں آپ کی جماعت والے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور حضرتِ ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، اللہ ان پر رحم کرے اور مغفرت نصیب کرے۔ میں نے اپنے گھر والوں سے ان کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سُنا۔ کوفہ والے فوراً بدل گئے اور آپ کا ساتھ چھوڑ دیا آپ نے انہیں رافضہ (چھوڑ دینے والے) کا نام دیا۔[1]

حضرت زید کے ساتھ مٹھی بھر جان نثار رہ گئے۔ آپ نے ہمت نہ ہاری۔ جنگ کے دوران ایک تیر آپ کے سر کے بائیں رخ میں لگا اور دماغ میں پیوست ہو گیا۔ آپ اس سے جانبر نہ ہو سکے

آپ کے حامیوں نے اس خوف سے کہ دشمن آپ کی نعش کی بے حرمتی نہ کرے آپ کو دفن کر کے اوپر پانی بہا دیا۔ لیکن سرکاری کارندوں نے کھوج نکال لیا۔ انہوں نے یوسف بن عمرو کے حکم سے آپ کا سر کاٹ کر دمشق بھجوایا اور بدن کو سولی پر لٹکایا۔ ولید کے عہد میں یوسف نے آپ کی نعش کو جلوا دیا اور خاکستر فرات میں بکھیر دی۔

حضرت زید کی شہادت کا واقعہ محرم ۱۲۱ ہجری کا ہے۔

حضرتِ زید کے نام سے شیعی اصحاب میں ایک نیا فرقہ اُٹھا جسے زیدیہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ

---

[1] ابن اثیر۔

عمرؓ کی تعظیم کرتے ہیں۔

وفات ہشام نے ۱۲۵ ہجری میں وفات پائی۔

اوصاف و اخلاق ہشام کی ایک آنکھ میں عیب تھا۔ اگرچہ اس میں طبیعت کی کچھ خامیاں بھی تھیں تاہم وہ بنو امیہ کے بہترین خلفاء میں شمار ہوتا ہے۔ وہ نہایت حلیم اور سادہ مزاج تھا۔ اسراف کو ناپسند کرتا تھا۔

ہشام بہت دیندار اور مذہب پرست تھا۔ ایک دفعہ اس کا ایک بیٹا جمعہ کی نماز کو نہ آیا۔ ہشام نے سبب پوچھا تو جواب دیا کہ سواری نہ تھی۔ ہشام نے کہا، کیا چل نہیں سکتے تھے؟ ہشام نے اسے یہ سزا دی کہ ایک برس تک اس کی سواری موقوف کر دی گئی[1]

ہشام نغمہ و رنگ کے خلاف تھا۔ ایک بڈھے کو مطربائیں، شراب اور بربط رکھنے کے جرم میں اس کے پاس پیش کیا گیا ہشام نے کہا کہ طنبورہ اس کے سر پر مار کر توڑ دو۔ بڈھا رونے لگا۔ لوگوں نے کہا، صبر سے کام لو۔ اس نے جواب دیا کہ میں مار کے سبب سے نہیں روتا ہوں بلکہ اس لئے کہ بربط کو طنبورہ کہہ کر ہشام نے اس کی تحقیر کی ہے[2]

کارنامے:

۱۔ دفتری انضباط: ہشام نے دفتری نظام کو بہت ترقی

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر۔

دی۔ اموی دور میں دفتری کاروبار کے لحاظ سے اس کا دور بہترین تھا[۱] مالیات پر بہت دھیان دیا۔ خزانہ سے ایک پائی بھی بے سبب نہیں نکل سکتی تھی۔ غالباً اسی لئے بعض لوگوں نے ہشام کو بخیل کہا ہے۔

۲۔ شہروں کی آبادی: سندھ میں آئے دن راجپوتوں کی بغاوتیں اٹھتی رہتی تھیں۔ فوجی استحکام کے لئے منصورہ اور محفوظہ دو شہر آباد کیے[۲]

شام کے علاقہ میں ایک رُصافہ (ریگستان) کو اتنی رونق دی کہ وہ اسی نام سے شہر بن گیا[۳]

شامی سرحد پر قطر غاش کا قلعہ تعمیر کیا[۴]

۳۔ مذہبی خدمات: ہشام کو دین سے بہت محبت تھی۔ اس نے اسلام کے مسلّمہ عقائد پر یلغار کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔ ایک شخص غیلان بن یونس کو عقیدۂ قدر کے جرم میں ہاتھ پاؤں قطع کروا کر سولی دی۔ جعد بن درہم نے خلق قرآن کے عقیدہ کا اظہار کیا تو اسے مروا ڈالا[۵] ایک جادوگر نے عجیب و غریب عقائد کا فرقہ بنایا۔ عراق کے گورنر نے انہیں جلا دیا[۶]

ہشام بن عبد الملک کی ایک نہایت قابلِ قدر خدمت یہ ہے کہ اس نے سنّت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت کے لئے امام زہری سے چار سو حدیثوں کا ایک

---

[۱] ابن اثیر [۲] بلاذری [۳] ابن اثیر۔ بلاذری۔ معجم البلدان [۴] بلاذری [۵] ابن اثیر۔ ابن کثیر [۶] ابن اثیر ۱۱۸ھ۔

مجموعہ لکھوایا[1]

۴۔ شام کے گورنر خالد بن عبداللہ قسری نے نہرِ مبارک کھدوائی[2]

۵۔ علمی خدمات: ہشام کو متفرق علوم سے بہت شوق تھا اس نے ملوکِ عجم کی ایک مفصّل اور مفید تاریخ کا ترجمہ فارسی سے عربی زبان میں کرایا۔

---

[1] تاریخ اسلام شاہ معین الدین بحوالہ تذکرہ ذہبی۔

[2] بلاذری ص ۲۹ مع حاشیہ۔

ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک

۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ

ہشام کے بعد یزید ثانی کا بیٹا ولید تخت پر بیٹھا۔ ولید ثانی نااہل اور بدکردار شخص تھا۔ ہشام نے اس کی عیش پرستی کو دیکھ کر اس کے بجائے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہا لیکن موت نے چلنے نہ دی۔

ولید کے مظالم ہشام کی وفات کے بعد ولید نے اس کی سب املاک ضبط کرلیں۔ یہاں تک کہ ہشام کو کفن بھی اس کے ایک آزاد کردہ غلام نے دیا۔ ہشام کی اولاد اور ان مشیروں پر جنہوں نے ولید کو ولی عہدی سے ہٹوانا چاہا تھا اس نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیے۔ اس کے

بیٹے سلیمان پر کوڑے برسائے۔ اس کی ڈاڑھی منڈوائی اور زندان میں ڈال دیا[1] ہشام کے ماموں کے دو بیٹوں کو اپنے ماموں یوسف بن محمد ثقفی والی حجاز کے حوالے کیا۔ وہ انہیں زنجیروں میں باندھ کر مدینہ لایا۔ لوگوں کے سامنے ان کی تذلیل کی اور پھر شام لوٹا دیا۔ ولید نے انہیں کوڑوں سے پٹوایا اور کوفہ کے سنگدل حاکم یوسف کی تحویل میں دے دیا۔ اس نے انہیں عذاب دے کر ہلاک کیا۔ ہشام کے متعلقین پر اس قدر ستم کیے کہ ایک دفعہ اس کی قبر پر ایک خادم آیا اور رو کر کہا، کاش تم دیکھتے کہ ولید ہمارے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے[2]

یحییٰ بن زید کی شہادت

حضرت زید کی شہادت کے بعد ان کے فرزند حضرت یحییٰ خراسان چلے گئے تھے۔ یوسف والی عراق کی فرمائش پر نصر سیار نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ولید کا حکم آیا کہ انہیں آزاد کر کے میرے پاس بھیج دو۔ رستہ میں حضرت یحییٰ نے جان کے خوف سے تاخیر کر دی نصر بن سیار کو غدر کا شبہ ہوا اور آپ کے خلاف دس ہزار کا لشکر بھیجا۔ آپ کی معیت میں کل ستر آدمی تھے۔ تاہم آپ نے سرکاری لشکر کو شکست فاش دی۔ اب دوسرا لشکر آیا حضرت یحییٰ اس کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور آپ کے سب ساتھی کام آ گئے۔ آپ کے بدن کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ ابو مسلم نے طاقت پکڑی تو اسے اتار کر دفن کیا[3] اس سال خراسان میں جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام زید رکھا گیا یا یحییٰ[4]

---

[1] ابن اثیر [2] ابن کثیر [3] ابن اثیر [4] ابن اثیر۔ مسعودی [5] مسعودی

خانہ جنگی

ولید نے ہشام کی اولاد اور اس کے متوسلین پر ظلم کر کے خاندان میں پھوٹ پیدا کر دی۔ ولید اوّل کا بیٹا یزید انتقام کو اٹھا۔ اس نے خفیہ گروہ بندی شروع کی۔ یمنی قبائل اس کی مدد پر کمربستہ ہو گیے۔

یمن کے قبائل اس سے قبل اموی بادشاہوں کے وفادار تھے اور ان کی حکومت کے ستون شمار ہوتے تھے۔ لیکن ولید نے بد اندیشی سے انہیں ناراض کر دیا۔

عرب قبائل کی دو بڑی تقسیمیں تھیں، نزار یا مضر جن کے اجداد شمالی عرب میں مقیم تھے۔ اور یمانیہ، جن کے اجداد جنوبی عرب میں سکونت رکھتے تھے۔ ان دو فریق میں شروع سے چشمک تھی۔ ولید نے اسے خون کا رنگ دیا۔ اس نے خالد بن عبداللہ قسری کو جو یمانیہ کا سردار تھا یوسف والیٔ کوفہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس نے خالد کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا۔ اس بارے میں ایک نظم کی اشاعت ہوئی جس میں یمانیہ پر طنز تھی۔ اس نظم کو ولید سے منسوب کیا گیا۔ یمانیہ اور مشتعل ہو گئے انھوں نے ولید کی ہجو میں شعر لکھے اور اس کے قتل کے درپے ہو گیے۔

ولید کا قتل

یزید کی طاقت بڑھی تو اچانک دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ولید ان دنوں باہر تھا۔ یزید نے اس کے خلاف فوج بھیجی۔ ایک معمولی معرکہ ہوا۔ ولید نے شکست کھائی اور محل میں گھس گیا۔ یہاں اسے ذبح کر دیا گیا[1]

---

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر۔

ولید کی مدتِ خلافت ایک سال دو ماہ ہے۔
ولید لہو و لذت اور شراب و شعر کا دل دادہ تھا۔

یزید ثالث بن ولید بن عبدالملک

۱۲۶ ہجری (۷۴۴ء)

انقلابِ حکومت کے نتائج

یزید ثالث نے ولید ثانی کا صفایا آسانی سے کیا تھا۔ لیکن اب اس کے لئے بھی چین کا سانس لینا مشکل ہو گیا یزید کی اس حرکت کے ایسے دور رس نتائج نکلے جو نہ صرف یزید بلکہ کل بنو امیہ کے لئے نہایت زہرناک ثابت ہو گئے۔ ان نتائج کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ ولید ثانی نہایت کم مپرسی کی حالت میں فوجیوں کے ہاتھوں ذبح ہوا تھا۔ اس سے اموی ملوکیت کے وقار کو زبردست ٹھیس پہنچی۔ عوام میں بنو امیہ کی وہ پہلی سی دہشت نہ

رہی۔

۲۔ خلیفہ کے نام کو کم از کم سادہ لوح عوام میں ایک گونہ تقدس حاصل تھا۔ ولید ثانی ہزار بُرا تھا لیکن جب اس کے قتل کی خبر آئی تو حمص کے شہر میں نالہ و بُکا کا شور ہو گیا۔

۳۔ کئی اموی شہزادے ولید کا انتقام لینے کو یزید ثالث کے خلاف اٹھے۔ شاہی خاندان میں اب تک بہت حد تک نظم و ضبط تھا لیکن اب اس کا شیرازہ منتشر ہونے لگا۔ خانہ جنگی کا دروازہ کھل گیا۔

۴۔ ولید کی ماں مضری قبیلہ قیس سے تھی۔ اس لئے مُضَر کو صدمہ ہوا[1]

۵۔ یزید ناقص نے یمانیہ کے بل پر خلافت پائی تھی۔ اُن کا زور ہوا اور مُضَر کی شامت آ گئی۔ عراق کے والی یوسف کو یزید نے معزول کیا وہ خلیفہ کے پاس گرفتار ہو کر حاضر ہوا۔ خلیفہ نے سرِ دربار اس کی تذلیل کی۔ اس کو گھنی اور لمبی ڈاڑھی سے پکڑ کر جھٹکا اور زندان نشین کر دیا۔ مُضَر جہاں جہاں تھے طیش میں آ گئے۔

۶۔ یزید کا مسلک معتزلی تھا۔ معتزلہ کے عقائد اسلامی دنیا کے لئے بالکل نرالے تھے اور سخت ناپسند کیے جاتے تھے۔ یزید کا غلبہ گویا مسلکِ اعتزال کا غلبہ تھا۔ صحیح العقیدہ مسلمانوں نے ضروری جانا کہ یزید کا تخت الٹ

---

[1] ابن اثیر سنہ ۱۲۷ ذکر خروج الضحاک۔

دیا جائے۔

۷۔ ولید ثانی نے لوگوں کے وظائف بڑھا دئے تھے۔ یزید نے گھٹا کر ہشامی دور کے سے کر دئے۔ لوگوں نے اسے الناقص (گھٹانے والا) کہنا شروع کیا۔ اس تخفیف سے عام ناراضی پیدا ہوئی۔ ولید کی سیاسی قوت کو بہت ضعف پہنچا۔

۸۔ جگہ جگہ بغاوت کے شعلے بھڑکے۔ حمص، فلسطین اور مدائن کے اضلاع میں خلیفہ کے خلاف لام بندی ہوئی اموی شہزادوں نے ان جگہوں میں باغیوں کی رہنمائی کی لیکن شاہی افواج جلد ہی غالب آگئیں۔

عراق، خراسان اور یمامہ میں بھی اضطراب پیدا ہوا۔ خراسان میں نصر بن سیار کی حکومت تھی وہ مضری تھا۔ اس کا رویہ درست نہ تھا۔ تاہم یزید نے اُسے بحال رہنے دیا۔ مضر کا اپنے حریف جدیع بن علی کرمانی کے ساتھ مخاصمت کا دور چلا جو آگے چل کر بنو امیہ کے حق میں تباہی خیز ثابت ہوا۔

مروان بن محمد اموی آرمینیہ کا حاکم تھا۔ اس نے جزیرہ پر قبضہ کر لیا اور ولید کے انتقام کی خاطر یزید کے خلاف فوج لے کر چلا لیکن ابھی رستہ ہی میں تھا کہ چار صوبوں کی ولایت کے عوض یزید کی بیعت کر لی۔

وفات

یزید ثالث نے چھ ماہ کی پُر آشوب حکومت کے بعد ۱۲۶ ہجری میں وفات پائی۔

ابراہیم بن ولید بن عبدالملک

۱۲۶ھ تا ۱۲۷ھ

۷۴۴ء تا ۷۴۵ء

یزید ثالث کی وفات کے بعد اس کا نامزد کردہ بھائی ابراہیم جانشین ہوا۔

مروان کی چڑھائی

ابراہیم کی خلافت پر دمشق ہی میں اتفاق رائے نہ تھا۔ مروان اسی ہزار سپاہ کے ساتھ دمشق پر بڑھا۔ قنسرین اور حمص پر آسانی سے قبضہ جما لیا۔ ابراہیم نے ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر سلیمان بن ہشام کے زیر کمان روانہ کیا عین الجر کے مقام پر لشکر آمنے سامنے ہو گئے۔ مروان نے کہا کہ اگر ولید کے بیٹوں حکم اور عثمان کو رہا کر دیا جائے تو مجھے اور کسی چیز سے سروکار نہیں۔ لیکن

اس کی تجویز رد ہوئی اور زور کی جنگ چھڑی - سلیمان بن ہشام ناش شکست کھا کر بھاگا -

ابراہیم کے طرفداروں نے سوچا کہ مروان بڑھا چلا آرہا ہے - اگر وہ کامیاب ہوا اور ولید کے بیٹے آزاد ہوکر صاحب اختیار ہو گئے تو ہماری خیر نہیں - انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا - مروان نے دمشق میں قدم رکھا تو ابراہیم روپوش ہو گیا - ابراہیم کی مدتِ خلافت کل ۴ ماہ ہے -

مروان کی بیعت

مروان نے دمشق پر قبضہ کر لیا لیکن حکم اور عثمان کی فقط لاشیں ہی دیکھ سکا - ان کے ساتھ ایک سردار قید تھا - اس نے مروان کو بتایا کہ مرنے سے پہلے وہ تمہیں اپنا جانشین نامزد کر گئے ہیں - دمشق میں مروان کی بیعت ہو گئی -

بعد میں سلیمان بن ہشام اور ابراہیم مروان سے عفو کے طلبگار ہوئے - اس نے معاف کر دیا -

مروان ثانی بن محمد بن مروان

۱۲۷ھ (۷۴۵ء) تا ۱۳۲ھ (۷۴۹ء)

مروان ایک جہاں دیدہ اور آزمودہ کار جرنیل تھا۔ میدانِ جنگ میں اس ثابت قدمی اور تحمل کا مظاہرہ کرتا تھا کہ اس کا لقب حمار (گدھا) پڑگیا کیونکہ گدھے میں برداشت کا بہت ملکہ ہوتا ہے۔ اس کے تحمل کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ اموی وغیرہ کے برعکس اس نے اپنے شکست خوردہ حریف ابراہیم کو معاف کر دیا۔

شورشیں

مروان کے عہد تک اموی تاج و تخت یمنی اور نزاری قبائل کی خون بار رقابت کا سرچشمہ بن چکا تھا۔ مروان حمار نے نزاریہ کی مدد سے تاج حاصل کیا تھا۔ لہٰذا

یمنی قبائل مخالف ہو گئے۔ ان کے اثر سے شام میں جگہ جگہ بغاوت کی آگ بھڑکی۔ ہشام کے بیٹے سلیمان نے باغیوں کی کئی مقامات پر قیادت کی۔ لیکن مروان نے سب کے چھکے چھڑا دیئے۔

حضرت عبداللہ بن معاویہ کی شہادت

کوفہ کے والی عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز بہت نرم مزاج تھے۔ وہ حیرہ گئے تو عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر نے زیدی شیعہ اور دیگر کوفیوں کی مدد سے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور وہ ان سے جنگ کرنے کے لئے حیرہ کی طرف نکلے۔ چند جھڑپیں ہوئیں۔ آپ کے چند سرداروں نے عین موقع پر ساتھ چھوڑ دیا اور آپ کو شکست ہوئی۔ کوفہ آئے۔ یہاں کئی روز جنگ رہی۔ آپ کی طاقت روز بروز گھٹتی جاتی تھی۔ امان حاصل کر کے مدائن چلے گئے۔ وہاں سے شمالی ایران کے بعض علاقوں پر قابض ہوئے۔ تقریباً دو برس حکومت کی۔ اس دوران فارس پر بھی قبضہ کیا لیکن آخر مروانی فوجوں سے بھاگے اور اس امید پر کہ ابو مسلم کی حمایت ملے گی خراسان گئے۔ وہاں عباسی داعی محض اس لئے مخالف ہو گئے کہ آپ کے باپ کا نام معاویہ تھا۔ ابو مسلم خراسانی کو آپ کی آمد کی خبر ملی تو ہرات کے مقام پر چپکے سے مروا دیا۔ یہیں آپ کا مزار ہے۔[1]

---

[1] ابن اثیر۔

خوارج خوارج نے دیکھا کہ مروان شام کی بغاوتوں میں مصروف ہے اور عراق میں بد نظمی ہے تو انہیں جرأت ہوئی۔ ان کے سردار ضحاک نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ عراق کے والی عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو مروان نے سبکدوش کر دیا تھا۔ اس نے نامزد والی کو چارج دینے سے انکار کیا اور اس سے جنگ چھیڑ دی۔ ضحاک کا مقابلہ بھی ضروری تھا۔ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے ایک مدت تک تو اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن پھر اس خیال سے ضحاک کی بیعت کر لی کہ یہ مروان سے لڑ کر فیصلہ کر لے تو پھر دیکھا جائے گا۔ سلیمان بن ہشام مروان کا حریف تھا۔ وہ بھی ضحاک کی صفوں میں شامل ہو گیا۔ ضحاک کی طاقت بہت بڑھ گئی اور اس نے شام کی طرف قدم بڑھائے راہ میں مروان سے ٹکر ہوئی۔ ضحاک مارا گیا تاہم خوارج ڈٹے رہے۔ ایک بار انہوں نے مروان کو بھگا بھی دیا لیکن بالآخر میدان مروان کے ہاتھ رہا۔ اس کے بعد موصل کے قریب تقریباً چھ ماہ تک مروان اور خوارج کے درمیان معرکے رہے آخر کار خارجی پسپا ہو گئے لیکن عراق پر اب بھی ان کا قبضہ تھا مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ اس نے انہیں عراق سے نکالا۔ سلیمان بن ہشام بھاگ کر سندھ پہنچا[1]

ادھر ایک خارجی سردار ابو حمزہ نے مکہ پر قبضہ کر لیا اور یہاں سے مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ سے کچھ ادھر جنگ ہوئی۔ اہل

---

[1] ابن اثیر۔

مدینہ کی ایک کثیر تعداد کام آئی۔ کوئی گھر ماتم سے خالی نہیں تھا
ابو حمزہ نے اب شام کا قصد کیا۔ رستہ میں مروانی فوج سے
سامنا ہوا۔ ابو حمزہ نے منہ کی کھائی اور پلٹا۔ شاہی فوج نے
تعاقب کر کے مار دیا[1]

عباسی تحریک

عباسی تحریک جو ایک مدت سے مستور چلی آتی تھی، مروانی عہد میں منصۂ ظہور پر آئی۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اموی حکومت کا چراغ گل کر دیا۔

اموی استبداد نے شورش انگیز مخالفتوں اور پُر زور عداوتوں کے باوجود شمشیر کی قوت، خاندانی عصبیت، سیاست کی پرکاری اور ماحول کی یاوری کے بل پر اپنے بازار کی رونق قریب ایک صدی تک قائم رکھی۔ ان کی عظمت و شوکت کے مینار کو مسمار کرنا آسان نہ تھا۔ یہ کام اگر کسی کے بس کا ہو سکتا تھا تو وہ پاک نہاد اور پاک ضمیر خانوادۂ رسولؐ تھا۔ بنو امیہ کو ان سے ہر دم اندیشہ رہا۔ اس لئے انہوں نے سادات کے ائمہ کو ہمیشہ کڑی نگاہوں کے پہرہ میں رکھا۔ جہاں کسی سید زادے سے بدگمانی ہوئی اسے کسی نہ کسی حیلہ و حربہ سے اپنی راہ سے صاف ہٹا دیا۔ تاہم سادات کا اثر و رسوخ روز بروز بڑھتا رہا اور بنو امیہ انحطاط کے سایہ میں آتے گئے۔

اہل اسلام کے ایک گروہ کا نظریہ تھا کہ خلافت اہلِ بیت کا حق ہے۔ سادات کے بعض عمائد کی طرف سے وقتاً فوقتاً

---

[1] ابن اثیر۔

خلافت کے لئے جد و جہد بھی ہوئی ۔ مثلاً جناب زید نے ہشام کے خلاف اور حضرت یحییٰ نے ولید کے خلاف علم بلند کیا ۔

اہل بیت کے حق میں جو تحریک رواں تھی اس کی راہ میں ایک ایسا موڑ آیا جس نے اچانک بجائے اہل بیت کے بنو عباس کو مسندِ خلافت پر جلوہ آرا کر دیا ۔ اس کی روداد یہ ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم عبد اللہ ان کے جانشین ہوئے اور پوشیدہ طور سے حصولِ خلافت کے لئے سرگرم کار رہے ۔ انہوں نے ۹۹ ہجری میں شام کے ایک شہر حُمیمہ کے مقام پر رحلت کی اور اپنا منصب حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی کو سونپ گئے ۔

محمد بن علی

محمد بن علی نے تحریک کو منظم کیا ۔ آپ کی تنظیم عباسی تحریک کا سنگِ بنیاد ہے ۔ بنو امیہ کے خلاف یہ پہلی تحریک تھی جو پوشیدہ ہونے کے ساتھ کاملاً مربوط اور منظم تھی ۔ محمد بن علی نہایت ذہین خوش تدبیر اور صاحب الرائے تھے ۔ انہوں نے بھانپ لیا کہ کامل تیاری سے پہلے حکومت کے مقابل ہونا پرخطر اقدام ہوگا اس لئے آپ نے تحریک کو نہایت رازداری سے بڑھایا ۔

محمد بن علی کی تحریک حضرتِ عباسؓ کے نام نامی سے عباسی تحریک کہلاتی ہے ۔ حضرتِ عباسؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے ۔ وہ حضورؐ کے بعد کافی عرصہ زندہ رہے ۔ لیکن خلافت کی طلب کبھی نہیں کی ۔ ان کے بیٹے عبد اللہ بن عباسؓ ایک مقتدر صحابی اور بلند پایہ عالم تھے ۔ وہ حضرتِ علیؓ کے حامی تھے بعد میں حضرتِ حسنؓ اور حضرتِ حسینؓ کے حامی اور ہوا خواہ رہے انہوں نے اپنے لئے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا ۔

محمد بن علی تحریکِ عباسیہ کے بانی تھے۔ انہوں نے ۱۰۰ ہجری جبکہ حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفۂ اسلام تھے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ آپ نے بارہ نقیب مقرر کیے اور ان کے تحت داعیوں کا عملہ ساری مملکتِ اسلامیہ بالخصوص عراق و خراسان میں پھیلا دیا[1]

آپ کی سیاسی تگ و دو کی جولانگہ زیادہ تر عجم کا خطہ تھا اہلِ عجم کے دل حقیقی طور سے بنو امیہ کے ساتھ کبھی وابستہ نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ بھی کہ اموی حکومت میں یا عربوں کا ہاتھ تھا یا شامیوں کا دخل و اثر۔ اہلِ عجم کی حیثیت ان کے مقابلہ پر زیر دستوں کی تھی۔ عبد الملک نے عربی کو دفتری زبان بنا کر عجم کا دفتری کاروبار میں جو تھوڑا سا حصہ تھا وہ بھی چھین لیا۔ عجم والوں کی تحقیر کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ بعض دفعہ ان کے نومسلموں سے جزیہ لیا گیا۔ نتیجہ یہ کہ عجمی حدود میں آئے دن بغاوتوں کا غلغلہ اٹھتا رہتا تھا۔ اسلام سے قبل اہلِ عجم نے وطنی حکومت کی یادگارِ عالم بہار دیکھی تھی۔ کسروی دور میں ان کی عظمت کے چرچے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسلام آیا اور خلافتِ راشدہ میں عجم مفتوح ہوا تو ان کے ساتھ برابر کا سلوک ہوا لیکن اموی عہد میں ان کی قدر گھٹتی گئی۔ اس لئے ان کا بنو امیہ سے متنفر ہونا طبعی تھا۔ وہ ایسے مردِ خدا کے لئے چشم براہ تھے جو ان کو مساوات کی سطح پر لے آئے۔ محمد بن علی کی تحریک میں انہیں امید کی جھلک نظر آئی اس لئے فوراً اس سے وابستہ

---

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر۔

ہو گئے۔

حالات قدم قدم پر محمد بن علی کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے بعد اموی حکومت کے پائے ڈگمگا گئے ولید اور یزید کے ناکام دور کے بعد ہشام نے حکومت سنبھالی وہ باہمت اور اولوالعزم بادشاہ تھا۔ لیکن اس کی حکومت کے کامل بیس برس داخلی شورشوں میں کھپ گئے۔ اس کی توجہ یا تو باغی سرداروں اور خوارج پر مبذول رہی یا ترکستان کے الٹ اور تشویشناک حوادث میں کھوئی رہی۔ محمد بن علی برق رفتاری کے ساتھ کامیابی کی منزلیں مارتے گئے اور ہشام کو کوئی خاص آگاہی نہ ہوئی۔

محمد بن علی کے ان تھک اور جاں فروش داعی راہ گیروں اور سوداگروں کے بھیس میں شہر شہر اور گلی گلی پھرتے تھے نہایت ہنرمندی سے ارباب حکومت کے داغ چمکاتے، عوام کے دلوں میں نیم بیدار عداوتوں کو جگاتے اور اہل بیت کی عقیدت کو مستحکم کرتے تھے۔ یہ پوشیدہ سلسلہ نہایت سرعت سے بڑھا اور دور دور تک پھیل گیا۔[1]

محمد بن علی نے ۱۲۴ ہجری میں بعہد ہشام انتقال کیا اور ان کے بیٹے ابراہیم جانشین ہوئے۔[2]

اس اثناء میں کچھ ایسے دل خراش سانحے رونما ہوئے جنہوں نے بنو امیہ کی رہی سہی ساکھ بھی ڈبو دی۔ حضرت زید بن علی نے ہشام کے مقابلہ میں اٹھ کر شہادت پائی تو ان کی نعش کو سولی پر لٹکایا گیا اور بعد میں جلا دیا گیا۔ ان کے بعد ولید ثانی

---

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر [2] ابن اثیر۔ ابن کثیر۔

کے عہد میں حضرت یحییٰ بن زید کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ خراسان میں گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ حضرت یحییٰ کی شہادت کے سال پیدا ہونے والے ہر بچے کا نام حضرت زید یا حضرت یحییٰ کے نام پر رکھا گیا۔[1]

ان علوی دعویداروں کو تو اپنی قربانیاں کام نہ آئیں لیکن آلِ عباس کو ان سے یہ فائدہ پہنچا کہ ان کے حریف بنوامیہ کی فوجی طاقت کو سخت صدمے پہنچے۔

ولید ثانی کے عہد سے عرب کے مضری اور یمنی قبائل میں خلفشار پیدا ہو گیا۔ خود اموی شہزادے بھی خانہ جنگی کے پیچ میں آ گئے۔ حکومت کی یہ پراگندہ حالی عباسی تحریک کے لئے بہت سازگار تھی۔ اس کی جڑیں اس قدر پھیلیں کہ بظاہر بنوامیہ کی حکمرانی تھی لیکن عجم میں اندرونی طور سے عباسی تحریک کی متوازی حکومت چل رہی تھی۔

اس عرصہ میں عباسی تحریک کو ایک ایسا صاحبِ ہمت کارداں اور صاحبِ تدبیر خادم ہاتھ آیا جس نے اس تحریک کو ایک گام میں کامیابی کی منزل سے ہم کنار کر دیا۔ یہ ابومسلم عبدالرحمٰن بن مسلم خراسانی تھا۔[2]

ابومسلم کے اوائلِ زندگی کے بارے میں تاریخ بہت حد تک خاموش ہے۔ یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ اس نے عباسی داعیوں کے زمرہ میں کب بار پایا۔ یہ نسلاً عجمی تھا۔ کوفہ کے علاقہ میں پیدا ہوا۔ بعض مؤرخین نے آزاد بتایا ہے اور بعض

---

[1] بلاذری۔ ابن اثیر [2] مسعودی۔

نے غلام لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عباسی داعیوں نے اسے چار سو درہم میں خریدا اور امام محمد بن علی کے پاس پیش کیا۔ اسے ابتداء ہی سے عباسی داعیوں کی آغوشِ تربیت نصیب ہوئی۔ قوتِ فہم، جودتِ ذہن اور طبعی محنت کوشی نے جلد ہی اسے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا[1]

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن علی نے اسے داعیِ اعظم بنایا تھا لیکن یہ درست نہیں ہو سکتا۔ امام محمد نے ۱۲۴ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ابو مسلم کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۵ برس کی ہو سکتی تھی۔ اتنی کم عمری میں اس کا داعیِ اعظم بننا ناممکن نظر آتا ہے۔ بہر حال اس قدر ضرور قرینِ قیاس ہے کہ امام محمد کی زندگی میں ابو مسلم ایک ممتاز داعی تھا۔ امام ابراہیم نے اسے ۱۲۸ یا ۱۲۹ ہجری میں عراق و خراسان کا داعیِ اعظم بنایا اس وقت اس کی عمر انیس برس تھی۔ نو عمری کی وجہ سے کارکن اس کے احکام کی پروا نہیں کرتے تھے۔ یہ امام ابراہیم کے پاس شکایت لایا۔ انہوں نے داعیوں کو تاکید کی کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اسے حکم دیا کہ ہر مشکوک شخص پر ہاتھ صاف کر دو اور ممکن ہو تو ہر عربی بولنے والے کا خاتمہ کر دو[2]

ابو مسلم کو امیرِ آلِ بیت رسول کا لقب ملا[3]

ابو مسلم کا ظہور عباسی تحریک کا ایک نیا نقطہ آغاز ہے۔ اس کی ہمت اور تدبیر نے تین برس کے اندر امام محمد اور امام ابراہیم کے سہانے خواب کی تعبیر پیش کر دی۔ یہ شخص یکم رمضان ۱۲۹ (نے عباسی ... کا علانیہ)

---

[1] ابن کثیر۔ ابن اثیر [2] ابن کثیر۔ ابن اثیر [3] ابن کثیر ۱۰ : ۲۷ ۔

ہجری کو خراسان آیا اور صوبہ بھر میں داعی پھیلا دئے۔ خراسان کا اموی حاکم نصر بن سیار اپنے حریف کرمانی سے مصروفِ جنگ تھا۔ اس طرف توجہ نہ دے سکا۔ لوگ جوق در جوق اس کے حلقہ بگوش ہونے لگے۔ ۲۵ رمضان کی رات کو ایک بہت بڑا الاؤ روشن کیا۔ یہ علانیہ اجتماع کی علامت تھی۔ دوسری صبح اس کے فداکاروں کے جنگل کے جنگل امنڈ آئے ان کا شعار سیاہ لباس اور سیاہ جھنڈا تھا[1]

عید الفطر کی نماز عباسی داعی نے پڑھائی[2]

بنو امیہ کا شیرازہ تیزی سے بکھر رہا تھا۔ ولید ثانی کو یزید ثالث نے ختم کیا۔ یزید ثالث کل تین ماہ جیا۔ اس کی جگہ اس کے بھائی ابراہیم نے لی۔ مروان نے اس سے تخت چھین لیا۔ معاندین نے مروان کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ سلیمان بن ہشام بغاوت پہ اتر آیا۔ مروان کے عہد میں حضرت عبد اللہ بن معاویہ کے واقعات اور خوارج کی شورشوں نے ابو مسلم کی مزید دستگیری کی۔ مضری اور یمنی قبائل کے مابین مخاصمت کی آگ تیزی سے بھڑکی اور اموی تاج و تخت اس کی لپیٹ میں آگئے۔

ابو مسلم نے اپنی تحریک کا اعلان کرنے کے بعد نصر بن سیار کو پیروی کا دعوت نامہ لکھا۔ اس نے جواب میں فوج بھیجی جس کا مقابلہ ابو مسلم کے جرنیل مالک نے کیا اور اسے شکستِ فاش دی[3]

---

[1] ابن کثیر۔ [2] ابن اثیر [3] ابن کثیر۔

نصر اور کرمانی کی آویزش

نصر بن سیار ابو مسلم کے خلاف مزید کارروائی کرنے سے معذور تھا۔ ان دنوں وہ یمنی قبائل سے دست و گریباں تھا۔ نصر مضری تھا۔ اس نے یمانیہ کے ساتھ بہت بدسلوکی کی۔ ان میں سے ایک جدیع بن علی کرمانی تھا۔ وہ نصر کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ نصر نے اسے قید کر دیا۔ جدیع بھاگ نکلا اور جنگ آزمائی پر تل گیا۔[1]

ابو مسلم کے لئے فراست و سیاست دکھانے کا خوب موقع تھا۔ اس نے نصر اور جدیع دونوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر انہیں اپنی بساطِ سیاست کے مہرے بنا لیا۔ ابو مسلم اس وقت تک بہت قوت فراہم کر چکا تھا۔ اس نے دونوں کو الگ الگ اپنی حمایت پر للچا کر ایک دوسرے کے خلاف گرمانے کی کوشش کی۔ وہ چاہتا تھا کہ عرب آپس میں لڑ بھڑ کر اس قدر ضعیف ہو جائیں کہ ان کی پامالی مشکل نہ رہے۔ جدیع اس کے جھانسے میں آ گیا۔[2]

نصر اور جدیع کے لشکر آمنے سامنے خیمہ زن ہوئے۔ ابو مسلم نے اپنا لشکر ان دونوں کے درمیان ڈال دیا اور ہر ایک کو اپنی مدد کے وعدے دلانے لگا۔ نصر بن سیار بہت کائیاں تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ حالات دگرگوں ہو رہے ہیں۔ اس نے مروان کو نہایت دردناک اشعار لکھے جن میں ابھرتی ہوئی تباہی کی تصویر کھینچی۔ وہ زندۂ جاوید اشعار یہ تھے۔

---

[1] ابن اثیر [2] ابن کثیر - ابن اثیر۔

أَرَىٰ تَحْتَ الرَّمَادِ وَمِيضَ نَارٍ — وَأَخْشَىٰ أَنْ يَكُونَ لَهَا ضِرَامُ

میں خاکستر کے نیچے آگ کی چنگاریاں دیکھتا ہوں۔ اور ڈرتا ہوں کہ بھڑک نہ اٹھیں

فَإِنَّ النَّارَ بِالْعُودَيْنِ تُذْكَىٰ — وَإِنَّ الْحَرْبَ مَبْدَؤُهَا كَلَامُ

آگ دو لکڑیوں سے جلائی جاتی ہے۔ اور جنگ کی ابتدا کلام سے ہوتی

فَقُلْتُ مِنَ التَّعَجُّبِ لَيْتَ شِعْرِي — أَأَيْقَاظٌ أُمَيَّةُ أَمْ نِيَامُ

تعجب سے کہتا ہوں کاش میں پوچھ سکوں کہ بنو امیہ خوابیدہ ہیں یا بیدار

کرمانی کا قتل

نصر نے کسی طرح جدیع کو صلح پر آمادہ کر لیا۔ جدیع سو آدمیوں کو ساتھ لے کر نصر کی ملاقات کو روانہ ہوا۔ نصر کے دل میں جدیع کی طرف سے بدگمانی اٹھی۔ کرمانی ابھی راہ میں تھا کہ اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ عربوں کے اتحاد کے خواب پریشان ہو گئے۔ جدیع کے بیٹوں نے ابو مسلم کے ساتھ قسمت وابستہ کر لی۔

نصر نے مروان سے مدد طلب کی تھی۔ مروان اس وقت خوارج کے کانٹوں میں الجھا ہوا تھا۔ ان سے دامن چھڑانا دشوار تھا۔ اس نے جواب دیا کہ تم خود موقع پر موجود ہو جو مناسب سمجھو کرو۔ نصر سمجھ گیا کہ مروان مدد بھیجنے سے قاصر ہے۔ مروان نے کوفہ کے والی ابن ہبیرہ کو لکھا کہ نصر کو مدد بھیجو۔ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک سپاہی بھی نہیں۔ حالانکہ عراق کے مردم خیز خطہ سے لاکھوں کی فوج اٹھ سکتی تھی بعد میں ابن ہبیرہ نے کچھ مدد بھیجی لیکن اس برائے نام اور نا وقت کی کمک سے پہلے ہی نصر کے قدم مرو سے اکھڑ چکے تھے۔

[1] ابن کثیر۔ ابن اثیر [2] ابن کثیر۔ ابن اثیر [3] ابن اثیر۔

نصر نے آخر دم تک سر توڑ کوشش کی۔ اس نے یمانیہ اور ربیعہ کو پھر اپنی طرف مائل کر لیا۔ جدیع کے بیٹے علی کرمانی نے معاہدہ پر دستخط بھی کر دیئے۔ لیکن باپ کے قتل کے خیال سے اس کی نیت بدل گئی اور دشمنی از سر نو قائم ہو گئی۔ نصر اور علی کرمانی دونوں نے مدد حاصل کرنے کے لئے ابو مسلم کے پاس وفد بھیجے۔ ابو مسلم نے کرمانی کی مدد کا فیصلہ کیا۔ اگلے برس ۱۳۰ ہجری میں ابو مسلم نے مرو پر فوج کشی کی۔ نصر کے پاس طاقت نہ تھی اطاعت کا اظہار کر کے جان بچائی اور رات کی اوٹ میں بھاگ نکلا۔ اب سارا خراسان ابو مسلم کے قدموں تلے تھا۔ نصر نے اثنائے فرار میں رے کے مقام پہ بیمار پڑ کر وفات پائی[1]۔

نصر کی شکست

ابو مسلم سب عرب سرداروں کا دشمن تھا۔ نصر سے انتقام لے چکا تھا اب جدیع کرمانی کی اولاد کی باری تھی۔ اس نے اس کے بیٹوں علی اور عثمان کا خاتمہ کر دیا[2]۔

قحطبہ کی پیش قدمی

ابو مسلم کا جرنیل قحطبہ خراسان سے روانہ ہوا اور فتح پہ فتح حاصل کرتا عراق جا پہنچا۔ ادھر سے مروان بھی ایک لاکھ کا ٹڈی دل لے کر چلا۔ عراق کے والی ابن ہبیرہ نے مروان کے پہنچنے سے قبل قحطبہ کا سامنا کیا اور شکست کھائی۔ دوران جنگ قحطبہ ڈوب کر مر گیا اور اس کا بیٹا حسن کماندار ہوا۔ ابن ہبیرہ واسط پہنچا۔ حسن نے اس کو محاصرہ میں لے لیا[3]۔

امام ابراہیم

اس اثناء میں امام ابراہیم حمیمہ میں سکونت پذیر تھے انہوں

---

[1] ابن اثیر [2] ابن اثیر [3] ابن اثیر۔

نے ابو مسلم خراسانی کو ایک خط لکھا ۔ خط پکڑا گیا اور مروان پر سارا راز فاش ہو گیا ۔ اس نے امام ابراہیم کو زندان نشین کر دیا امام نے گرفتاری سے قبل اپنے بھائی ابو العباس عبد اللہ کو اپنا جانشین نامزد کیا اور گھرانے کو حکم دیا کہ کوفہ چلے جاؤ ۔ ابو العباس اور اس کا بھائی ابو جعفر منصور گھرانے کے دیگر افراد کے ساتھ حمیمہ سے نکلے اور کوفہ میں آکر مقیم ہو گئے ۔ یہاں ابو سلمہ خلال عباسی تحریک کے ایک سرگرم رکن تھے ۔ انہوں نے انہیں اپنے

العباس اور منصور کوفہ میں

سلمیہ

بحیرہ روم

اسکندریہ

حمیمہ

فسطاط
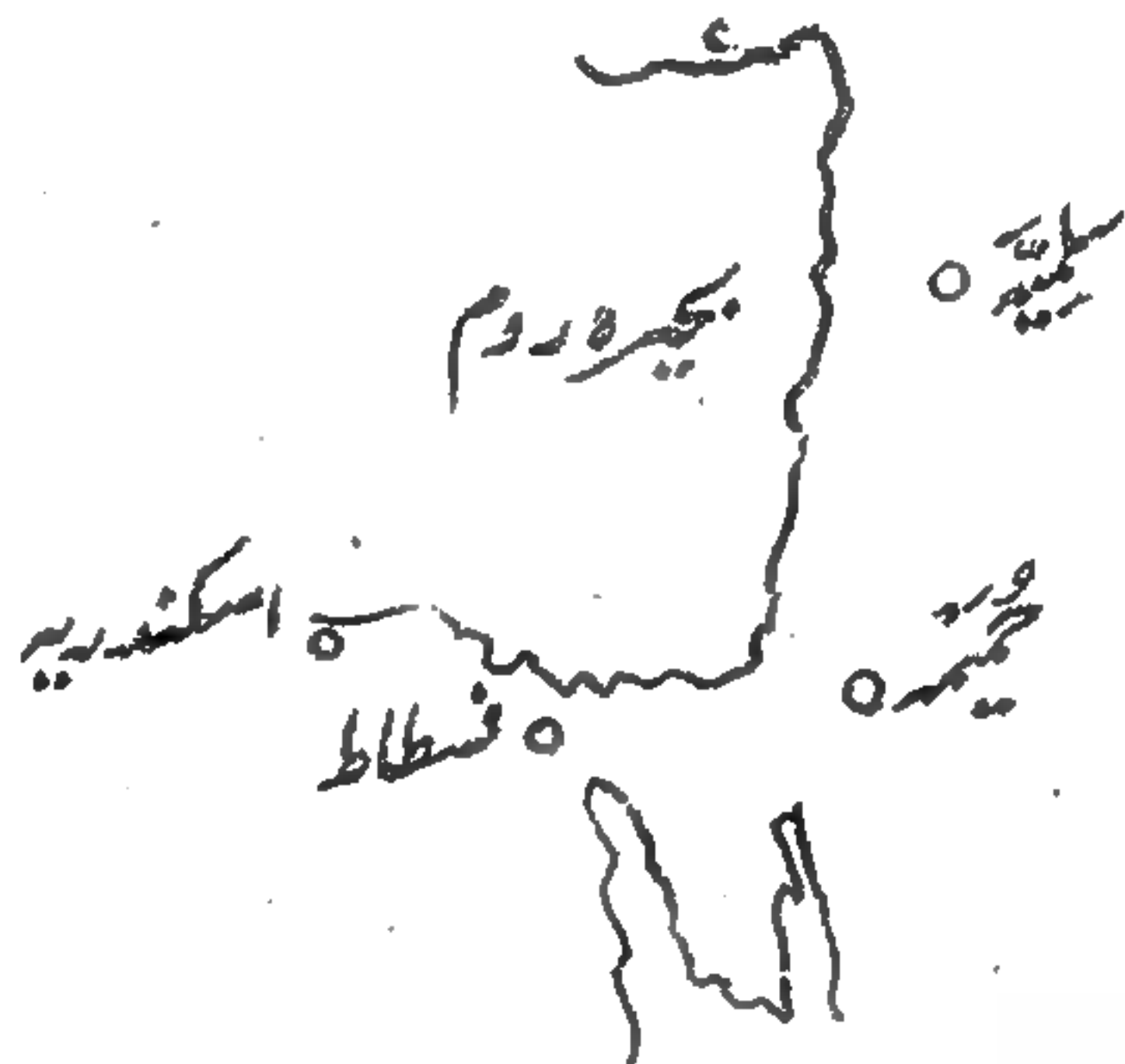
پاس پوشیدہ طور سے ٹھہرایا ۔ اس کے بعد انہیں پُر اسرار طریقے سے ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل کرتا رہا ۔ بنو امیہ بے خبر رہے[1]

ابراہیم کی وفات

۱۳۲ ہجری میں امام ابراہیم نے وفات پائی ۔ یہ خبر کوفہ پہنچی تو خلال نے چاہا کہ خلافت کا حق اہلِ بیت میں پھیر دیا جائے ۔

---

[1] ابن اثیر ۔ ابن کثیر ۔

عباسی تحریک کے دیگر رہنماؤں نے اتفاق نہ کیا اور ابو العباس کی بیعت ہو گئی۔ اتنے میں کوفہ فتح ہو چکا تھا۔ ابو العباس یہاں آیا اور دار الامارت میں قیام کیا۔ جامع مسجد میں خطبہ دیا اور کوفہ والوں نے بیعت کی[1]

جنگ زاب

ابو العباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ مروان ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ دریائے زاب کے کنارے خیمہ زن تھا۔ موصل کے قریب دو معرکے ہوئے۔ پہلے معرکہ میں عبداللہ بن علی نے ایک دستہ بھیجا جو شکست کھا کر پلٹ آیا۔ دوسرے روز عبداللہ بن علی بیس بائیس ہزار کے لشکر کے ساتھ خود مقابل ہوا۔ مروان کی فوج بد دل تھی جنگ میں حصہ نہ لیا اور بھاگ نکلی۔ مروان کو بھی فرار ہونا پڑا[2]

مروان کا قتل

مروان بھاگ کر شام پہنچا۔ تقدیر منہ موڑ چکی تھی۔ نمک خواروں نے بھی آنکھیں پھیر لیں اس لیے تو تاجدار کو کہیں جائے پناہ نظر نہ آئی۔ حمص والوں نے اسے گالیاں دیں اور لوٹنا چاہا۔ مروان بھاگ کر مصر گیا۔ عباسی افواج نے تعاقب کیا اور ایک معرکہ میں مار دیا[3] اس کے ساتھ بنو امیہ کی ہزار ماہہ سلطنت بھی آخری ہچکی لے کر دم توڑ گئی۔

بنو امیہ کا انجام

ابو العباس عبداللہ نے جو سفاکی کی وجہ سے سفاح (خونریز) کہلاتا ہے تقریباً نوّے امویوں کو دعوت پر بلایا اور انہیں ڈنڈوں سے مار مار کر ہلاک کر دیا۔ ان پر کپڑا بچھا کر کھانا کھایا۔ نیچے سے بعض بسمل آدمیوں کی فریاد

---

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر [2] ابن اثیر [3] ابن اثیر۔ الفخری۔

سنائی دیتی تھی حضرت معاویہؓ سے لے کر بعد کے سب اموی تاجداروں کی قبریں اکھڑوا ڈالیں۔ صرف ہشام کی لاش سالم نکلی۔ اسے نکلوا کر سپردِ آتش کیا۔ ایک ایک اموی کو ڈھونڈ کر ہلاک کیا۔ صرف چند شہزادے زندہ بچے یا وہ افراد جو بھاگ کر اندلس پہنچے[1]۔

ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن نام نے اندلس پہنچ کر وہاں کی سلطنت پر خود مختارانہ قبضہ کر لیا۔

---

[1] ابن اثیر۔

بنو امیہ کے زوال کے اسباب

اموی سلطنت کی ظاہری توانائی اور استحکام پر نظر کرتے ہوئے کون کہہ سکتا تھا کہ اس کے فلک بوس کنگرے کبھی پیوندِ خاک ہو جائیں گے۔ لیکن قدرت کا قانون ہے کہ وہی چیز دنیا میں قائم و دائم رہتی ہے جو کارآمد رہے۔ اموی حکومت آہستہ آہستہ نفع رسانی کے وصف سے عاری ہو گئی اور اس کی قوت ناطاقتی میں بدل گئی۔ اس کے کئی اسباب تھے مثلاً۔

۱۔ آمریت بنو امیہ کے زوال کا سب سے بڑا سرچشمہ اس کی آمریت تھی یعنی دولتِ اُمویہ کی انتہا اس کے آغاز ہی میں پنہاں تھی۔ اس کو قابل اور اولو العزم بادشاہ نہ ملتے تو اس کی زندگی چند روزہ ہوتی۔

اسلام شخصی حکومت، شخصیت پرستی اور خاندانی استبداد کا

مٹانے کا پیغام لایا ہے۔ اموی طریق حکومت اسلام کی شورائی روح کے موافق نہ تھا۔ حق پرست مسلمان اگر وقتی مصلحت کی خاطر ظاہراً خاموش بھی تھے تو باطناً بنو امیہ کے مخالف تھے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے حضرت معاویہؓ سے برسرِ اجلاس کہا تھا کہ یہ خلافت نہیں، ہرقلیت ہے۔ اہل اسلام کے جذبات کو مٹانا آسان نہ تھا۔ اور پھر خلافتِ راشدہ کو گزرے زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی جب کہ حضرت عمرؓ ایسے سخت گیر حاکم بھی مقامی عہدہ داروں کا انتخاب بالعموم وہیں کے لوگوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ قرآن حکیم کے الفاظ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں) اور شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (اے نبی ان سے مشورہ لیجئے) بار بار عوام کو یاد دلاتے تھے کہ حکومت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ ملک کا سربراہ فقط ایک امین ہوتا ہے۔ اس کو من مانی کرنے کا حق نہیں لیکن اموی حکومت کا آئین کچھ اور تھا۔ حکومت کا سربراہ آمرانہ اور شاہانہ حیثیت کا مالک ہوتا تھا۔ اگرچہ دیگر معاصر حکومتوں کو دیکھا جائے تو ان کی نسبت سے اموی حکومت دنیا کی بہترین حکومت تھی اور عبید اللہ بن زیاد اور حجاج بن یوسف کے خونی دور سے قطع نظر اس کی آمریت مقابلتاً بہت محدود تھی لیکن اسلام کا معیار کچھ اور ہے۔ اس کی نگاہ میں یہ ایک غاصبانہ اور استبدادی حکومت تھی اس کی قدر وہی کرتے تھے جو زر کے بندے تھے ورنہ علمائے حق اور عامۃ المسلمین اس کے خیر خواہ نہیں تھے لہٰذا اموی دور میں جب کبھی عوام کو موقع ملا انہوں نے حکومت کے خلاف سر اٹھایا۔ سوائے عمر بن عبد العزیز کے کسی خلیفہ

بغاوتوں کی طرف سے بے فکر ہونا نصیب نہیں ہوا۔

۲۔ دنیوی حکومت

بنو امیہ کی آمریت کا ایک نہایت ہی نامرغوب پہلو دنیا پرستی کا تھا۔ اگر آمریت کے ساتھ یہ لوگ دنیوی اور روحانی دونوں لحاظ سے بلند ہوتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا لیکن وہ روحانیت اور تدین میں اسلام کے معیار سے بہت فروتر تھے یہاں تک کہ نمازیں بھی تاخیر کر جاتے تھے[1] مروان اول کو لوگ منبر نبوی پر بیٹھا دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ عید کی نماز کے بعد لوگوں کو اس کا خطبہ سننا گوارا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ نماز عید سے قبل خطبہ دینا چاہا حضرت ابو سعید خدری اسے ہاتھ سے پکڑ کر منبر کی طرف جانے سے روکتے رہے لیکن ناکام رہے[2] حجاج کے عہد سے نومسلموں سے جزیہ وصول ہونا شروع ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ شاہی خزانے بھرتے رہیں چاہے اسلام کی اشاعت رک جائے۔ اس بدعت کے خلاف نہایت خوفناک بغاوتیں ظہور پذیر ہوئیں۔

۳۔ اخلاقی زوال

دنیا پرستی کے طبعی اثر سے اموی خلفاء میں اخلاق کی قدر آہستہ آہستہ گھٹتی گئی یزید ثانی کی بے دینی اور فسق و فجور کا جواب نہیں۔ لازم تھا کہ ایسے بادشاہوں سے عوام نفور ہو جائیں۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ذکر سلیمان [2] مسلم کتاب الصلٰوۃ العیدین ج ۲ ص ۲۰۱۔

۴ علمائے حق کی مخالفت

بنو امیہ کے خلاف جس قدر معرکے میدانِ رزم میں ہوئے ان سے بڑھ کر مؤثر معرکے مدرسہ اور خانقاہ کے بوریہ نشینوں نے زبان اور قلم سے کیے۔ یہ لوگ بہت کم علانیہ برسرِ جنگ ہوئے۔ صرف عبدالرحمٰن اشعث کی بغاوت میں ان کا واشگاف شمول نظر آتا ہے لیکن تعلیم و تلقین کے اسلحہ سے یہ لوگ برابر تاجِ شاہی پر ضربیں لگاتے رہے اور بار ہا دکھ بھی جھیلے۔ اموی حکومت نے امام ابو حنیفہ کو سرکاری ملازمت پر مجبور کرنا چاہا۔ آپ نے تسلیم نہ کیا تو آپ کو کوڑوں سے پیٹا گیا لیکن آپ کے قدم نہ ڈگمگائے لہ یہ قربانیاں رائیگاں نہیں جا سکتی تھیں۔ انہوں نے اموی خاندان کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔

۵ بنو ہاشم کا مقابلہ

بنو امیہ کو نیچا دکھانے کی اہلیت اگر کسی میں تھی تو وہ بنو ہاشم تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی کشمکش کے بعد بنو امیہ اور بنو ہاشم کی رقابت شاید ختم ہو جاتی کیوں کہ اہل بیت قناعت پسند اور امن پرور لوگ تھے لیکن خلافِ شرع امور کے خلاف بیانگِ دہل آواز اٹھانا اور ان کے مٹانے کے لیے جان کی بازی لگانا انہی کا حصہ تھا۔ حضرت حسینؓ نے یزید کی حکومت سے انکار کیا اور اسلامی اصول کے گلے کو چھری سے بچانے کے لیے اپنے گلے پر چھری پھروا دی اور تقریباً پورے کا پورا خاندان اسلام کی راہ میں قربان کر دیا۔ آپ اہل اسلام کو سکھا گئے کہ دین کی حفاظت

لہ البدایہ والنہایہ - الانتقاء

میں جان کس طرح نچھاور کی جاتی ہے۔ حضرت حسینؓ اس دنیا سے سفر کر گئے لیکن ان کی روحانی سلطنت بڑھتی ہی گئی۔ اور بالآخر اسی روحانی سلطنت کے سہارے بنو عباس نے بنو امیہ کا خاتمہ کر کے اپنی حکومت جمائی۔

اہلِ بیت کی پاکیزگی، فراخ دلی اور کشادہ ظرفی میں انتہاء کی کشش تھی۔ اہلِ اسلام کا اس سے متاثر ہونا لازم تھا۔ حضرت معاویہؓ کی رواداری مشہورِ عام ہے لیکن حضرت علیؓ کی وفات کے بعد انہوں نے آپ کے خلاف بر سرِ منبر تقریر کی رسم جاری کی۔ اس رسم کو ۹۹ ہجری میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ختم کیا۔ حضرت معاویہؓ جانتے تھے کہ شہید علیؓ زندہ علیؓ سے کم شہ زور نہیں ہے۔ انہوں نے یہ رسم حضرت علیؓ کی روحانی قوت کو ضعف پہنچانے کے لئے چلائی لیکن حضرت معاویہؓ اور ان کے جانشین اپنا مقصود حاصل نہ کر سکے۔ نہ حضرت علیؓ کی طاقت گھٹی اور نہ بنو امیہ کی مقبولیت بڑھی بلکہ عوام کے دل ایسی حرکات سے برگشتہ ہونے لگے اور دردمند اہلِ اسلام کے جذبات اور جوش ابھرنے لگے۔

حضرت زین العابدینؒ، حضرت محمد باقرؒ اور حضرت جعفر صادقؒ سیاست سے کنارہ کش رہے اور دین کی اشاعت میں منہمک رہے۔ انہوں نے دین کی تعلیم نہ صرف علمی طور سے دی بلکہ عملی طور پر بھی۔ عوام کے دلوں میں ان کی جو قدر و منزلت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں ان کے مقدس پیکروں کا وجود ہی اموی تاجداروں کی آن کو خاک میں ملانے کے لئے کافی تھا۔

بنو امیہ نے بنو ہاشم کو دبانے کے لئے نہایت سخت

نجام اٹھائے۔ لیکن تاریخ کی رفتار کا غور سے ملاحظہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ بنو امیہ کا ہر وار خود ان کے اپنے خلاف پڑ رہا تھا۔ واقعات کا یہاں دہرانا غیر ضروری ہے۔ عباسی تحریک کے عنوان کے تحت ان کا سرسری جائزہ آ چکا ہے۔

۶۔ خوارج بنو امیہ کے کمزور پڑنے کا ایک سبب خوارج تھے۔ اس فرقہ کا سب سے بڑا اصول جمہوریت تھا۔ اس کے علاوہ یہ اخلاق میں بہت شدید تھے۔ یہاں تک کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر و مرتد کہتے تھے اور اس کا قتل مباح جانتے تھے۔ بنو امیہ سے انہیں بے پناہ عداوت تھی۔ ان کے پورے دور میں انہوں نے بازار رزم گرم رکھا۔ اس جانباز فرقہ کے پیرو ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے لیکن آئے دن نئے زور و شور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ وہ بنو امیہ کو تخت سے تو نہ اتار سکے لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کی طاقت کا ایک کثیر حصہ سلب کر لیا جو دیگر حریفوں پر صرف ہوتا۔

۷۔ تاجداروں کا عوام سے دور رہنا اموی بادشاہوں اور عوام کے درمیان براہ راست رابطہ نہ تھا۔ وہ عوام سے برتر اور دور رہتے تھے تاکہ رعب و داب میں فرق نہ آئے۔ وہ امراء کے ذریعے حکومت کرتے تھے۔ امراء کو عوام سے اس قدر ہمدردی نہیں ہوتی تھی جتنی اپنے آقاؤں یا اپنی ملازمت سے۔ ان کی کوششیں زیادہ تر اس امر پر مرکوز رہتی تھیں کہ شاہی خزانوں کو بھر کر خلفاء کو خوشنود کریں یا اپنے ہاتھ رنگ لیں لہٰذا عوام کو خوب لوٹتے

تھے۔

والیوں اور امراء کو نہایت وسیع اختیارات حاصل تھے۔ یہاں تک کہ جسے چاہتے بے دریغ قتل کر دیتے۔ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ طاقت کے نشہ میں وہ بار بار حد سے گزر جاتے تھے۔ بادشاہ ان کی چیرہ دستیوں سے جان بوجھ کر غفلت کرتے تھے وہ اس وقت تک امراء سے باز پرس نہیں کرتے تھے جب تک دیکھتے کہ حکومت کے پایے سلامت ہیں اور خزانہ میں دولت کے انبار چلے آتے ہیں۔ حجاج بن یوسف ایسا ظالم حکمران بیس برس تک عراق میں فرعونیت کی شان دکھاتا رہا اور کسی نے اس پر گرفت نہ کی۔ ان حالات میں عوام یہ سمجھنے پر مجبور تھے کہ بادشاہ خود پرست ہیں اور رعیت کی بہبود سے غافل۔ عوام نے ان حالات کے خلاف بار بار علم بغاوت بلند کیا۔

۸۔ عہدوں کی فروخت

ولید ثانی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عہدے بیچتا تھا۔ خراسان کا صوبہ یوسف بن عمر کے پاس بیچا۔ یوسف نے عوام سے قیمت نکالنا چاہی۔[۱]

۹۔ خلفاء اور امراء کے درمیان عدم اعتماد

امراء بادشاہوں کی خوشنودی کے لئے رعایا پر ظلم کرتے تھے لیکن خود بادشاہوں سے بھی انہیں کوئی محبت نہیں تھی۔ اکثر امراء مناصب کے بھوکے ہوتے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد جیسے یزید کی خاطر کربلا پر حملہ

---

[۱] ابن اثیر تذکرہ سنہ ۱۲۵

بہایا تھا۔ یزید کے مرنے کے بعد خود عراق پر قابض ہونے کے لیئے تیار ہو بیٹھا تھا۔ اسی طرح دیگر امراء کی اکثریت بھی روگرداں ہوتی رہی۔ بعد میں تو خلفاء کو امراء پر قطعاً کوئی اعتماد نہیں رہا تھا۔ مثلاً سلیمان کے عہد میں اسلام کے نامور اور پاکیزہ دامن فاتح محمد بن قاسم پر جو ناحق مصائب توڑے گیے وہ بجائے خود تاریخ کا ایک خونیں باب ہے۔ امراء کا بھروسہ بادشاہوں سے جاتا رہا۔ بعد میں امیوں کو مشکل سے کوئی وفادار جنیل مل سکا۔ آخری اموی تاجدار مروان حمار جب زاب کے فیصلہ کن میدان میں عبداللہ بن علی کے خلاف فوجیں لے کر آیا تو ایک ایک سردار نے اپنے قبیلہ کو لڑانے سے انکار کر دیا۔ مروان نے ناچار ان کے سامنے زر و سیم کے ڈھیر لگا دیئے کہ جنگ کرو تو یہ تمہارا مال ہیں۔ مروان کی سپاہ اسے لوٹ کر ہزیمت ہزیمت کی رٹ لگاتی فرار کر گئی۔

۱۰۔ عرب اور غیر عرب کی رقابت

اموی دور میں رعایا عربی، شامی اور عجمی تین گروہوں میں بٹ گئی اور ان کے درمیان رقابت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ویسے تو بظاہر عربوں کی حکومت تھی۔ لیکن انہیں شامیوں کا سا اقتدار حاصل نہ تھا۔ بنو امیہ نے اہل شام کے زور بازو سے حکومت حاصل کی تھی اس لیئے انہوں نے اپنا مرکز حکومت دمشق میں رکھا۔ شامیوں کو ان سے بہت وفاداری تھی۔ اس لیئے اموی خلفاء ان پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ اگر کہیں عربی اور شامی کا سوال پیدا ہوتا تو شامی کی طرفداری کرتے تھے۔ شامی سپاہ کی تنخواہ کی شرح عربی سپاہ

سے زیادہ تھی۔ ابن اشعث کی بغاوت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا۔

رہے اہل عجم تو ان کا کوئی مقام و مرتبہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کے خلاف جو تحریکیں عجم ہی میں اٹھیں۔ خوارج کے مرکز تھے فارس، مصر اور افریقیہ تھے۔ بنو عباس کی دعوت کا مولد و منشاء عراق، ایران اور خراسان وغیرہ تھے۔

۱۱۔ عربوں کی باہمی رقابت

عربوں میں نسلی لحاظ سے دو بڑے گروہ تھے۔ مضری اور یمانیہ۔ ان کی رقابت کے بارہ میں عباسی تحریک کے ضمن میں کافی لکھا جا چکا ہے۔ امیوں نے اس خاموش آگ کو جان بوجھ کر دوبارہ بھڑکایا۔ انہوں نے دیکھا کہ ہماری مقبولیت ختم ہو رہی ہے تو پھوٹ ڈال کر حکومت کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ انہوں نے سوچا کہ اہل عرب متحد ہو گئے تو ہماری حکومت کی بیخ کنی کر دیں گے لیکن ان کا یہ داؤ خود اپنے خلاف پڑا۔

اس رقابت کی مختصر داستان یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں اہل شام اور یمنی قبائل برسر عروج تھے۔ ان ایام میں مضر زیر دست اور پامال رہے۔ عبدالملک اور حجاج بن یوسف کے عہد میں مضر کا دور دورہ ہوا۔ حجاج مضری تھا۔ اگرچہ اس کے ظلم سے کوئی نہیں بچا لیکن یمنیوں پر خصوصی مظالم ہوئے۔ اس کا جانشین یزید بن مہلب یمنی تھا۔ اس نے سلیمان کے عہد میں آل حجاج اور مضر سے چن چن کر انتقام لیا۔ یزید ثانی خلیفہ ہوا تو ابن مہلب پر گردش آئی اور اس کا سارا خاندان یزید کی قہر کا شکار ہو گیا۔ ہشام کے عہد میں خالد بن عبداللہ قسری

والیِ عراق و خراسان کے دم سے پھر اہل یمن کا طوطی بولنے لگا۔ لیکن یہ بہار بھی چند روزہ تھی۔ ولید ثانی کے عہد میں خالد قسری کی جگہ یوسف مضری نے لی جس نے خلیفہ کے اشارہ سے خالد کو سنگدلانہ تشدد سے ہلاک کیا۔ یزید ثالث کا شش ماہہ عہد یمنیوں کے اقبال اور مضر کے ادبار کا عہد تھا۔ مروان ثالث کے تحت حالات نے پھر پلٹا کھایا۔ وہ حصولِ تخت کے لئے مضر کا مرہونِ منت تھا۔ اس نے انہیں بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا۔ یمنیوں نے دیکھا کہ اب پھر بُرے دن آنے ہیں تو کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ ان کا سردار جدیع کرمانی تھا وہ خراسان میں نصر بن سیار مضری کے خلاف صف آرا ہوا۔ ابو مسلم نے اس تفرقہ سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے دونوں گروہوں کو آپس میں لڑا کر کمزور کر دیا اور بالآخر انہیں ختم کر کے بلا شرکتِ غیرے خراسان کا مالک ہو گیا۔ پھر یہاں سے بڑھ کر ساری مملکتِ اسلامیہ پر چھا گیا۔

۱۴۔ فوج سے غفلت | اموی سلطنت کا فوجی نظام آہستہ آہستہ مختل ہوتا گیا۔ آخری سالوں میں فوج کی طرف سے بہت غفلت ہونے لگی تھی اور ان کی بہبود کو نظر انداز کر دیا گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کی کئی کئی ماہ کی تنخواہ واجب الادا رہنے لگی۔ فوج دل برداشتہ ہو گئی۔ لہٰذا مروان نے جب نصر کی مدد کو فوج بھیجنا چاہی تو عراق سے بارہ ہزار آدمی بھی فراہم نہ ہو سکے۔

عیاشی، بدحالی اور دولت کی تباہی | امراء کے اقتدار کی وجہ سے ملک

میں افلاس بڑھنے لگا۔ آئے دن حاکم بدلتے تھے۔ لہٰذا کاشتکاروں سے غلہ کا بیشتر حصہ چھین لیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ زراعت تباہ ہو گئی اور اقتصادی تباہی ڈیرے ڈالنے لگی۔

۱۴۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ | حضرت عمر ثانی کی زندگی وفا کرتی تو آپ اموی حکومت کو لیفہ ٹھکانے لگا جاتے تاہم آپ نے عوام میں ایک مدت کے بعد خلافتِ راشدہ اور جمہوریت کا جو جگی نمونہ پیش کیا اس نے آلِ امیہ کے زوال پر ایک اور مہر لگا دی۔ آپ کے بعد جس قدر بادشاہ آئے انہوں نے آپ کی قابلِ تقلید زندگی سے ایک بھی درس نہیں لیا اور خاندانی ڈگر پہ چلتے رہے۔ عوام کی نفرت شدید تر ہو گئی۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد اموی حکومت سنبھل نہ سکی۔ باغی قوتیں زور شور سے ابھریں۔ خوارج نے طوفان مچائے اور اندر ہی اندر عباسی تحریک کا جال پھیلنے لگا۔ اب کسی خلیفہ کے قدم مضبوطی سے جم نہ سکے۔

۱۵۔ ولی عہدی کا غلط طریقہ | بنو امیہ میں ایک غلط رواج یہ چلا کہ خلیفہ اپنے بعد بالعموم دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے جانشین نامزد کر جاتا تھا۔ پہلے جانشین کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ بھائی کو ولی عہدی سے الگ کر کے اپنے بیٹے کو جانشین کر جائے۔ اس سے بھائیوں میں تفریق پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ خاندانی عصبیت جو اموی خاندان کی روحِ رواں تھی آہستہ آہستہ مضمحل ہو گئی۔

۱۶۔ خانہ جنگی | بنو امیہ کے زوال کی رہی سہی کسر خانہ جنگی نے پوری کر دی۔ اموی شہزادے ایک

دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ باہمی تذلیل کا چکر چلا۔ بادشاہوں کی لاشیں سولی پہ آویزاں نظر آئیں اور بادشاہ کے ساتھ خلافت کا جو کم از کم ظاہری تقدس تھا، جاتا رہا۔

۱۷۔ عباسی تحریک کی تنظیم

بنو امیہ کی تباہی کا آخری سبب عباسی آئمہ کی ذہانت و قابلیت اور ابو مسلم کے خداداد جوہر تھے۔ عباسی آئمہ امور سیاست گروں کی خوب طاقتور ثابت ہوئے اور اپنی تنظیمی اہلیت اور سیاسی بصیرت کی مدد سے انہیں نیچا دکھایا۔ ابو مسلم ان کے حق میں آسمانی تائید کا نشان تھا

اموی دور کی عوامی روح

اسلام کی تاریخ صرف سلاطین کی تاریخ نہیں یہ عوام کی روداد بھی ہے۔ محض چند فرماں رواؤں کے عیب دیکھ کر ساری امت کو معیوب گرداننا انصاف سے بعید ہوگا۔ اگر اس دور میں یزید اول، یزید ثانی اور ولید ثانی ایسے لاابالی امراء سامنے آئے تو ساتھ ہی ان کے اثرات کو زائل کرنے والی مقدس ہستیوں کی کمی بھی نہ تھی۔ جس دور میں امام علی زین العابدینؒ، امام محمد باقرؒ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایسی رفیع القدر ہستیاں منصۂ شہود پر آئیں اس دور کی رفعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ عوامی نقطۂ نگاہ سے یہ وہ عہد تھا جس کی مثال خلافت راشدہ کے بعد کسی اور عہد یا ملک و ملت میں نظر نہیں آسکے گی۔ یہ وہ ایام تھے جب دین کی روح شباب پر تھی

اور شرم و حیا زندہ تھی - بے شک دنیا کی طرف بھی میلان تھ
لیکن بحیثیت مجموعی لوگ دنیا کے غلام نہ تھے۔ ان کے ہاں
دین کو بالادستی حاصل تھی - جب قوم و ملت کی لاج کا سوال
ہوتا تو مال و دولت کو مردانہ وار نچھاور کر دیا جاتا تھا بلکہ زند
سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے -

ایک وقت کی غیرت کا یہ عالم تھا کہ چند بے کس عورتوں کی ر
ہائی کے لئے سندھ میں جہاد کا محاذ کھول دیا گیا - یہ آسان نہ تھا
دو مہمیں اوپر تلے ناکام ہوئیں لیکن غیور مسلمانوں کے ولولے اور
جو قوم اللہ کی راہ میں غیرت کا ثبوت دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی
کو پہنچتا ہے - اللہ تعالیٰ نے مسلم خواتین کے پاسبانوں کو بالآخر
کامیابی سے سرفراز کیا اور کراچی سے لے کر ملتان تک کا علاقہ
ان کے قدموں میں رکھ دیا -

دیگر اقوام نے بھی ملک فتح کیے ہیں لیکن اموی عہد کی شا
فاتحانہ کچھ اور تھی - اسلامی یلغار پر رحمتِ حق کے پھریرے لہرا
ہوتے تھے - فتوحات کے پیچھے دین کی حمیت اور قوم کی غیرت
فرما تھی - ذاتی اغراض یا دنیوی حرص کی تحریک نہیں تھی - نیک
کے نقوش کو زمانے کا بے رحم ہاتھ بھی محو نہیں کر سکتا - اس کا
تاریخ کے دریچوں سے ہمیشہ جھلملاتا نظر آتا ہے - بے شک
کے ادوار میں اموی جہانگیریوں کی میراث کہیں کہیں لٹ گئی
لیکن حسنِ نیت کی شمع کو کون بجھا سکتا ہے - اندلس سے مسلما
کو جس بے دردی سے نکالا گیا وہ تاریخ کا ایک خونیں باب ہے
لیکن آج یورپ والے بھی برملا اعتراف کرتے ہیں کہ جب مسلما
قافلہ اندلس سے نکلا تو اس بد نصیب ملک پر اللہ کی رحمت

دروازے بند ہو گئے۔

حقیقت شناس مؤرخ کی نگاہیں جب اسلام کے ماضی میں نظر کرتی ہیں تو وہ یہ دیکھ کر دم بخود رہ جاتا ہے کہ ہم جوں جوں ندامت کی طرف بڑھتے ہیں ہمارے سامنے مؤثر سے مؤثر تر حقیقے آشکارا ہوتے ہیں۔ تا آنکہ جب عہدِ نبوت کے قریب پہنچتے ہیں تو چکا چوند کا وہ عالم نظر آتا ہے کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔

جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ انہیں دیکھو تو اللہ کی رحمت یاد آ جائے۔ اموی عہد کے مسلمانوں کی غالب اکثریت ایسے ہی رحمت نشان بندوں پر مشتمل تھی۔ فکروذکر کے وہ شان دل نوازی دکھاتے تھے کہ مفتوح اقوام انہیں دیکھ کر اسلام کی گرویدہ ہو جاتی تھیں۔ آج ایسی اقوام کی دنیا میں کمی نہیں جنہوں نے وسیع طبقوں پر صدیوں فاتحانہ حکومت کی۔ انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ مفتوح اقوام کو اپنے مذہب کا پیرو کر دیں لیکن ان کے مذہب سے رغبت کے بجائے الٹا نفرت پیدا ہو گئی کیوں کہ یہ فاتحین رحمت خداوندی کے پیغام رساں نہ تھے، سنگدلی اور بے مہری کے نقیب تھے۔ اموی کشورکشائیوں کی داستانیں اور ہیں لیکن ان پر ناقدانہ نظر ڈالنے کے لئے اس قدر انہماک کی ضرورت ہے جس کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے۔

اموی دور بظاہر ملوکیت کا دور تھا۔ بعض تاجدار مطلق العنان سے گزرے ہوئے تھے لیکن جہاں تک عوام کا تعلق ہے ان کی جمہوریت نواز روح جوان تھی۔ جو اثر ان کے قلوب اور اذہان پر قرآن و حدیث کا تھا وہ ملوک و امراء کا نہ تھا۔ اسلامی

قوانین کی پابندی تھی۔ فقہ کا بیش بہا ذخیرہ اور گراں قدر سرمایہ وجود میں آیا۔ یہ فقہ محض کتابی تحقیق یا ذہنی عیاشی کے لئے نہ تھا۔ عملاً اس پر عمل ہوتا تھا۔ حضرت اس فقہی سرمایہ ہی کو سامنے رکھ کر سوچیے کہ جس دور میں اس پر عمل ہوتا رہا وہ کس قدر صالح اور درخشاں دور ہوگا۔

اموی فرماں رواؤں کی خامیاں عوام کی نگاہ سے اوجھل نہ تھیں۔ عوام امراء کی خطاؤں اور قصوروں پر دلیری اور ثابت قدمی سے گرفت کرتے تھے۔ بنو امیہ کی شاہانہ زندگیاں عوام کی احتسابی نگاہوں کے محاصرہ میں رہتی تھیں۔ ملوکیت کو کھل کھیلنے کی مہلت نہیں مل سکتی تھی۔

آج کل ہر حکومت کے احتساب کے لئے حزبِ مخالف کا وجود ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اموی دور میں جو حزبِ مخالف تھا اس نے دیانت داری اور فرض شناسی کا ناقابلِ فراموش ثبوت پیش کیا۔ گھر بار لٹوائے، سر قلم کروائے، لوگ بدستور کوڑوں سے پٹے، قید و بند کے دکھ جھیلے لیکن عیب کو عیب بتانے سے کبھی نہ چوکے۔ اس حزبِ مخالف کے سامنے کوئی ذاتی اقتدار نہ تھا۔ یہ اللہ مستوں اور فقر دوستوں کی جماعت تھی۔ یہ لوگ ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں رہتے تھے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنتے تھے۔ روکھی سوکھی کھاتے تھے۔ یہ جماعت علمائے حق کی جماعت تھی۔ اس پاکیزہ گروہ نے اسلامی روح کے پاکیزہ ورثہ کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن سعی کی۔

تہذیبِ جدید کا اصل کردار اس کے دنیوی ساز و سامان میں شہو

بلکہ اس کی مساوات، سادگی اور ہمدردی کی روح میں ہے۔ یہ
روح جس بلند مرتبہ پر اموی دور میں تھی اس پر جتنا ناز کیا جائے
کم ہے۔

نظامِ حکومت

آمریت

اموی دور کا نظامِ حکومت آمرانہ تھا۔ بیت المال پر آزادانہ تصرف رکھنے، عوامی سطح سے بلند تر رہنے اور پابندی سے نکلی ہوئی سخت گیری کی وجہ سے بنو امیہ کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے ملوک شمار کیا جائے گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ سلطنت مُلکِ عضوض (دانت گیر حکومت) تھی۔ لیکن عوام میں اسلام کی حیثیت زندہ تھی اس لئے بادشاہ ہر جہت سے مطلق العنان نہیں ہو سکتے تھے۔ انہیں سخت گیری کے باوصف اسلامی قوانین کی پاسداری پر بہت حد تک مجبور ہونا پڑتا تھا۔ بادشاہ حد سے گزرتے نظر آتے تو عوام جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ اکثر اموی بادشاہوں کی یہ کوشش رہی کہ عوام کو ان پر اعتراض کرنے کا بہانہ نہ ملے۔ عبدالملک سے کسی نے پوچھا کہ آپ پر

چھایا بہت جلد چھا گیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب
دیا کہ منبر کی خطابت اور تلفظ کی احتیاط سے یہ حال کیا ہے۔
بادشاہی کے لوازم اور سخت گیری یقیناً از حد معیوب تھی
لیکن اس وقت کی معاصر حکومتوں کو دیکھا جائے تو اموی آمریت
ان کے مقابلہ میں بہت محدود تھی۔ تاہم اسلام کی نگاہ میں اس کو
کوئی جواز حاصل نہیں تھا

اختیار اعلیٰ بادشاہ کے پاس ہوتا تھا جو خلیفہ اور امیرالمومنین
کہلاتا تھا۔ بادشاہ مشاورتی کونسل رکھنے یا عوام سے مشورت
لینے کا پابند نہیں تھا لیکن ہم بارہا بادشاہ اور حکام کو قبیلوی
سرداروں سے رائے طلب کرتے دیکھتے ہیں۔ قبیلوی نظام اب
بھی ایک حد تک بدستور قائم تھا۔ قبیلہ کے سردار کی جو رائے
ہوتی تھی سب اہل قبیلہ کو منظور ہوتی تھی۔

ملک بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھا۔ ہر صوبہ کا بالعموم
ایک ہی والی ہوتا تھا لیکن بعض اوقات ایک والی کے تحت
ایک سے زائد صوبے بھی ہوتے تھے۔ والی کا تقرر خلیفہ کے
ہاتھ میں ہوتا تھا۔ صوبائی افسروں کا تقرر بالعموم والی ہی کرتا تھا
لیکن خلیفہ ضروری سمجھتا تو دخل دیتا تھا۔

مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے شعبے تقریباً ایک سے ہوتے
تھے۔ اہم ترین شعبے دیوان خاتم، دیوان رسائل، دفتر اعطیات
خراج اور شرطہ کے تھے۔ پولیس اور حاجب کے عہدے مرکز
کے علاوہ صوبوں میں بھی ہوتے تھے۔

خلیفہ کا انتخاب

خلیفہ کا انتخاب وراثت کے اصول پر
ہوتا تھا۔ ہر خلیفہ اپنے جانشین کو نامزد

کر جاتا تھا۔ بالعموم وہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو ولی عہد بناتا تھا
عام اصول یہ تھا کہ سب سے بڑا بیٹا ولی عہد ہو۔

خانہ جنگی کے تدارک کے لئے ہر خلیفہ اپنے بعد ایک سے زائد بیٹوں کو علی الترتیب ولی عہد نامزد کرتا تھا لیکن اس رواج نے آہستہ آہستہ خرابیاں دکھانا شروع کیں۔ ہر جانشین کی یہ تمنا ہوتی تھی کہ بھائی کو ولی عہدی سے ہٹا کر اس کا حق اپنے بیٹے کو دلا دے۔ اس سے کشیدگی پیدا ہونے لگی اور بالآخر خانہ جنگی کی نوبت آ گئی۔

سیاسی پالیسی

ہر خلیفہ کی سیاسی روش اس کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھی لیکن سخت گیری کا کم و بیش رنگ شروع سے آخر تک باقی رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اموی خلفاء ملوکیت کی چھاپ کی وجہ سے عوام کے دلوں میں جگہ نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ اس لئے اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے انہیں بارہا قہرمانیت کے انداز دکھانے پڑتے تھے۔

عوام کی خواہشوں کو ہر قدم پہ ٹھکرانا ناممکن ہے۔ بنو امیہ اس راز سے بخوبی آگاہ تھے اس لئے عام حالات میں وہ عوامی خواہشوں کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس وقت کے عوام خلیفہ میں کیا اوصاف دیکھنا چاہتے تھے اس کا اندازہ یزید ثالث کے مندرجہ ذیل خطبہ سے ہوتا ہے جو اس نے ولید کا تختہ الٹنے کے بعد دیا:۔

ایہا الناس! تم پر میری اطاعت اسی
صورت میں لازم ہے کہ میں اپنے لئے نہ کروں گا

عمارت بناؤں اور نہ نہر کھدواؤں، نہ ذاتی مال بڑھاؤں اور نہ بیوی بچوں کو مال دار کروں۔ میں کسی شہر سے اس وقت تک مال نہ نکالوں گا جب تک اس کا دفاع مضبوط نہ کر لوں۔ اور وہاں کے لوگوں کی حاجتیں پوری نہ ہو جائیں۔ فاضل مال اس کی قریبی آبادی میں بھیجا جائے گا۔ سرحدوں کے محافظوں تمہیں مصیبت میں نہیں ڈالوں گا۔ تم پر دروازہ بند نہیں کروں گا۔ ذمیوں پہ دست درازی نہیں کروں گا۔ تمہارے وظیفے ہر برس اور تمہاری تنخواہیں ہر ماہ ملیں گی اور قریب و بعید میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اگر میں ان الفاظ کو نباہوں تو تم میرے احکام سنو، اور مانو اور میرا بوجھ بخوبی بٹاؤ۔ اگر میں انہیں نہ نباہوں یا پھر تائب نہ ہوں تو مجھے معزول کر دو۔ اگر تمہارے علم میں کوئی ایسا صالح شخص ہو جس سے تمہیں وہی امیدیں ہوں جو مجھ سے ہیں اور تم اس کی بیعت کرنا چاہو تو میں سب سے پہلے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دوں گا۔

اے لوگو! خالق کی نافرمانی کرنے والی مخلوق کی اطاعت مت کرو۔

یزید ثالث اگر ان وعدوں کی بجا آوری کے باوصف ناکام رہا تو اس کی ایک قوی وجہ یہ تھی کہ وہ معتزلی عقائد رکھتا تھا۔ خلیفہ کے لئے ضروری تھا کہ وہ صحیح العقیدہ ہو۔

بنو امیہ کو بدقسمتی سے اکثر ایسے امراء ملے جو نہایت جابر

اور جفا کار تھے مثلاً زیاد بن سمیہ، عبید اللہ بن زیاد، حجاج بن یوسف، یوسف بن عمر وغیرہ۔ ان کی خون آشامیوں کی ذمہ داری سے خلفاء بچ نہیں سکتے۔ جن امراء کے نام مذکور ہوئے ہیں سب عراق پر مامور ہوئے۔ دیگر صوبوں میں ایسے امراء کے نام کم نظر آتے ہیں۔ عراقی طبیعت کا جو خاصہ ہے اس کے لئے آہنی گرفت کی ضرورت تھی۔ لیکن تاریخی واقعات یہ باور کراتے ہیں کہ ان امراء نے بار ہا بے ضرورت سختیاں کیں۔ خلفاء نے ان سے دانستہ چشم پوشی کی لہٰذا وہ بھی ان مظالم میں ایک حد تک شریک ٹھہرتے ہیں۔

اندرونی پالیسی میں بار ہا خلفاء کی ذاتی مصلحتیں ہمیں غالب نظر آتی ہیں لیکن جہاں تک بیرونی پالیسی کا تعلق ہے اس میں نہ صرف بنو امیہ بلکہ ہر قبیلہ و عقیدہ کے لوگ ایک تھے۔ اس پالیسی کا ایک ہی نصب العین تھا اور وہ تھا اسلام کی آبرو۔ اگرچہ ہشام کے عہد میں حرث نے خاقان ترکستان سے ایکا کیا اور عثمان نے ڈیوک آف ایکوی ٹین سے اتحاد کر کے غداروں کی فہرست بھی خالی رہنے نہیں دی لیکن یہ خال خال مثالیں ہیں۔ اموی دور کے مسلمان ہزار در ہزار آفریں اور تبریک کے حقدار ہیں کہ جب اسلام کا دشمن سامنے آتا تھا تو سب تفرقے بھلا کر اس کے خلاف ایک ہو جاتے تھے۔ اموی خلفاء اور حکام اس معاملہ میں کاروان کے رہبر تھے۔ حجاج کس قدر ظالم تھا لیکن چند مظلوم مستورات کا انتقام لینے کے لیے اس نے سندھ کے دور افتادہ علاقہ پر فوج کشی کی ذمہ داری اٹھالی۔

مرکزی حکومت

اموی حکومت کا کاروباری نظام نہایت مختصر اور سیدھا سادہ تھا اور نہایت خوش اسلوبی

سے چل رہا تھا۔ تین عہدہ دار ایسے تھے جن کے ماتحت کوئی وسیع دفتری
نظام تو نہ تھا لیکن ان کی اہمیت سب سے بڑھ کر تھی۔
ایک کاتب تھا، دوسرا حاجب اور تیسرا قاضی۔

۱۔ کاتب: کاتب کے لغوی معنی ہیں سیکرٹری۔ کاتب کے لئے
انشاء پرداز ہونا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ اس کو عربی زبان
اور تحریر سے بھی متصف ہونا لازم تھا۔ وہ خلیفہ کے اسرار
کا امانت دار ہوتا تھا۔

۲۔ حاجب: حاجب کے لغوی معنی ہیں: روکنے والا۔ اگرچہ
اس کا کام ناخواستہ لوگوں کو خلیفہ سے روکنا اور دور رکھنا بھی
تھا لیکن ضروری ملاقاتوں کا انتظام کرنا بھی اسی کے ذمے
تھا۔ ہم اسے افسر رابطہ کہتے ہیں۔
علاقائی انتظام بھی حاجب کے سپرد ہوتا تھا اس اعتبار سے
اسے وزیر امور خانہ داری کہا جا سکتا ہے۔

۳۔ قاضی: یہ دمشق کا قاضی اعلیٰ تھا۔ مقامی عدلیہ کا نظام اسی
کے تحت تھا۔ صوبائی قضاۃ اس کے زیر انتظام نہ تھے۔

متفرق محکمے

۱۔ دیوانِ خاتم (ریکارڈ آفس): اس دفتر میں خلیفہ کے فرامین کی
نقول رکھی جاتی تھیں۔ خلیفہ کے فرمان کو بند اور سربمہر کر
کے بھیجتے تھے۔ مہر کو عربی میں خاتم کہتے ہیں۔ اس لئے اس
دفتر کا نام دیوانِ خاتم رکھا گیا۔ یہ دفتر کاتب کے زیر انتظام
ہوتا تھا۔
دیوانِ خاتم کی بنا حضرت معاویہؓ نے رکھی۔

۲۔ دیوانِ اموال: یہ مالیات کا دفتر تھا۔ خلافتِ راشدہ میں بھی بیت المال کی آمدن اور خرچ کا حساب رکھا جاتا تھا لیکن اموی دور میں اس شعبہ کو بہت توسیع ہوئی۔ آمدن کی یہ مدیں تھیں، زکوٰۃ، جزیہ، خراج، غنیمت، خاصہ کی زمین، تجارتی ٹیکس، تحائف وغیرہ۔

۳۔ دیوانِ عطایا (یا عطیات): یہ مردم شماری اور وظائف کا رجسٹر تھا۔
کلیدی شہروں یعنی مکہ، مدینہ، دمشق، کوفہ اور بصرہ کے لوگوں کو مقررہ وظائف ملتے تھے۔ نیز بڑے بڑے قبیلوں کے رؤسا کو بھی حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً مالی امداد ملتی تھی۔ محتاجوں اور معذوروں کے نام بھی وظیفے جاری تھے۔ اس بارہ میں حکمرانوں کا اپنا اپنا طریق کار ہوتا تھا جس کی وجہ سے اصحابِ عطایا میں کمی بیشی اور تبدیلی ہوتی رہتی تھی۔

۴۔ حرس: شاہی پہرہ داروں کے دستہ کو حرس کہتے تھے۔ یہ ایجاد اموی عہد کی ہے۔ خلافتِ راشدہ میں خلفاء کی حفاظت کے لئے کوئی پہرہ دار نہیں ہوتا تھا۔

۵۔ شرطہ یعنی پولیس۔ اس کے ذمے شہری نظام کی نگرانی تھی۔ پولیس کے افسرِ اعلیٰ کو صاحب الشرطہ کہتے تھے جب خلیفہ کہیں جاتا تو صاحب الشرطہ برچھی اٹھائے آگے آگے چلتا تھا تاکہ لوگ مرعوب ہو جائیں۔

۶۔ احداث: ایک قسم کی ملیشیا تھی جس کا درجہ فوج اور پولیس کے درمیان ہوتا تھا۔ اس کے بانی حضرتِ عمرؓ تھے۔ خلافتِ

راشدہ میں اس سے عارضی پولیس کا کام لیا جاتا تھا کیونکہ اس وقت مستقل شرطہ کی ضرورت نہ تھی۔
حضرت معاویہؓ نے احداث کی نئے سرے سے تنظیم کی۔ لیکن بعد میں اس کی طرف کسی نے زیادہ توجہ نہ دی۔ ہشام کا وقت آیا تو اس نے اس کی پھر تجدید کی۔ اس کو یہ ضرورت غالباً مالی بچت کی خاطر پیش آئی۔ احداث کا یہ فائدہ تھا کہ مستقل پولیس اور مستقل فوج کی حاجت گھٹ جاتی تھی اور خزانہ پہ بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا۔

۷- فوج: خلیفہ کے پاس ہمیشہ مستقل فوج کی ایک پلٹن رہتی تھی۔ زیادہ فوج کی ضرورت ہوتی تو صوبائی حکام لشکر بھیجتے تھے۔
فوج کا دفتر دیوان الجند کہلاتا تھا۔

۸- بحریہ: بحریہ کا ناظم امیر البحر کہلاتا تھا۔ بحری بیڑا حضرت عثمانؓ کے عہد میں حضرت معاویہؓ کے ہاتھوں تیار ہو گیا تھا۔ حضرت معاویہؓ فرماں روا ہوئے تو اس کی طرف مزید توجہ دی۔ بحریہ کا الگ شعبہ قائم کیا اور وسیع پیمانے پہ جہاز سازی شروع کرائی۔ موسیٰ بن نصیر نے اسے اور وسعت دی اور تیونس میں جہاز سازی کا ایک نیا کارخانہ قائم کیا۔ ہشام کے عہد میں اس کارخانہ کی توسیع کی گئی۔

۹- بَرید: بَرید ڈاک کا محکمہ تھا۔ اس کے ذریعے سرکاری ڈاک کے علاوہ عوام کی ڈاک بھی جاتی تھی۔ اس کا رواج حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی تھا لیکن اس کی باقاعدہ تدوین حضرت معاویہؓ نے کی۔ برید کا نام غالباً انہی کے عہد میں پڑا۔

ملک میں تقریباً بارہ بارہ میل کے فاصلے پر چوکیاں مقرر تھیں جہاں تیز رفتار گھوڑے تیار کھڑے رہتے تھے۔ ہرکارے ان گھوڑوں کے ذریعے نہایت سرعت سے منزل بمنزل ڈاک پہنچاتے تھے۔

برید کے ذریعے صرف ڈاک کی ترسیل ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ چھوٹی موٹی اشیاء بھی بھیجی جاتی تھیں۔

عبدالملک نے برید کی تنظیم کی طرف نئے سرے سے توجہ کی۔

عوام میں ڈاک بھیجنے کا وسیلہ صرف بیوپاری نہ تھے بلکہ قاصدوں اور ایلچیوں سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ کبوتروں سے نامہ بری کا کام لینے کا بھی عام رواج تھا۔ اس مقصد کے لئے کبوتروں کو نہایت عمدہ تربیت دی جاتی تھی۔

اہلِ ذمّہ

اموی دور میں اہلِ ذمّہ کے ساتھ بالعموم اچھا سلوک رہا۔ بعض عیسائی نہایت بلند عہدوں پر پہنچے حضرت معاویہؓ کے عہد میں ابن اثال حمص کے دفترِ خراج کا سیکرٹری تھا۔ عبدالملک کا کاتب سرجون اور سلیمان کا کاتب ابن بطریق نصرانی تھے[1]

صوبائی نظام

صوبائی گورنروں کی ملازمت کی مقررہ میعاد نہیں ہوتی تھی۔ خلیفہ کو جب منظور ہوتا گورنر کو الگ کر دیتا تھا۔ گورنر کی سکونت گاہ دار الامارۃ کہلاتی تھی جو مسجد جامع کے ساتھ ملحق ہوتی تھی کیونکہ جمعہ کی نماز گورنر ہی پڑھاتا تھا۔ گورنر کا طریقِ زندگی اور طریقِ حکومت خلیفہ کی تقلید میں ہوتا تھا۔ مرکز کی طرح صوبائی دفاتر

---

[1] جہشیاری صفحہ ۲۸ التنبیہ والاشراف مسعودی

کا بھی کوئی وسیع عملہ نہ تھا۔ مختصراً مندرجہ ذیل شعبے ہوتے تھے۔

۱۔ دیوان خاتم: اسے دیوان رسائل بھی کہتے تھے۔ احکام اسی دفتر سے جاری ہوتے تھے۔

۲۔ دیوان الخراج: یہ خراج کا دفتر تھا۔ اس کا ناظم اعلیٰ صاحب الخراج کہلاتا تھا۔ نظریاتی لحاظ سے صاحب الخراج براہ راست مرکز کے تحت ہوتا تھا لیکن عملاً گورنر کو خزانہ پر پوری دسترس ہوتی تھی۔ خلیفہ دخل اندازی سے احتراز کرتا تھا۔

عبدالملک کے عہد تک خراج کے دفاتر صوبائی زبانوں میں ہوتے تھے۔ اس کے عہد میں عربی میں منتقل ہو گئے۔ دیوان اموال غالباً اسی دفتر کو کہتے تھے۔ آمدن کے مندرجہ ذیل ذرائع تھے:۔

زکوٰۃ، خراج، جزیہ، غنیمت، جرمانے، تجارتی ٹیکس وغیرہ

زکوٰۃ اہل اسلام سے وصول ہوتی ہے۔ خراج غیر مسلموں کی زمینی جائیدادات سے وصول ہوتا ہے۔ جزیہ غیر مسلموں کی ذات پر عائد ہوتا تھا۔

۳۔ شرطہ: اس کے ناظم کو صاحب الشرطہ کہتے تھے۔ جب کسی والی کے خلاف سارا شہر اچانک باغی ہو جاتا تو عام طور سے شرطہ ہی آڑے آتی تھی اور فوج کا کام دیتی تھی۔ ورنہ اس کے ذمے عام حالات میں پولیس کے فرائض ہوتے تھے

۴۔ قاضی: ہر صوبہ کے مرکزی شہر میں ایک قاضی اعلیٰ ہوتا تھا۔ جو صوبہ کے عدالتی نظام کا نگران ہوتا تھا۔ عدلیہ بالعموم انتظامیہ سے الگ ہوتا تھا۔ لیکن خالد قسری نے ہشام کے عہد میں احداث، شرطہ اور قضا کے محکمے ایک ہی

شخص بلال بصری کو سونپے گئے تھے۔
اہلِ ذمّہ کے مقدمات کا فیصلہ ان کے اپنے جج کرتے تھے۔

۵۔ فوج: چونکہ ہر مسلمان کے لئے بوقت ضرورت فوجی خدمت لازمی تھی اس لئے مستقل فوج کم تھی۔ وقت پڑنے پر رضاکاروں (متطوعہ) کی لام بندی کر لی جاتی تھی۔

زراعت

زراعت کی طرف اموی حکومت کی بہت توجہ رہی متعدد نہریں کھدوائی گئیں۔ صرف عراق ہی میں نہروں کا جال نہیں بچھا بلکہ پہاڑی علاقوں میں بھی بعض جگہ نہریں کھدوائی گئیں۔ اگرچہ بعض گورنر زراعت سے غفلت کے مرتکب ہوئے لیکن بالعموم کاشتکاروں کی بہت حوصلہ افزائی کی گئی۔ اگر فوجی نقل و حرکت میں کسی کی فصل برباد ہو جاتی تو اسے حکومت سے ہرجانہ وصول کرنے کا حق تھا۔

علم و حکمت

صدرِ اسلام کے عرب علوم میں سوائے لغت، احکامِ شریعت اور طب کے، جن کی شدید حاجت تھی اور کسی چیز سے اعتنا نہیں کرتے تھے۔ یہ اس لئے کہ نئے علوم کے دخل سے اسلام کے قواعد، عقائد پختہ ہونے سے قبل ہی خلل پذیر نہ ہو جائیں۔ اموی دو[رمیں] یہی غالب کیفیت یہی رہی۔ البتہ حضرت معاویہؓ کے پوتے خالد بن یزید نے کیمیا اور طب وغیرہ کی طرف توجہ کی۔

اموی دور میں علوم دین اور عربیت کے میدان میں بیش بہا کارنامے انجام دئے گئے۔ یہ زیادہ تر اہلِ علم طبقہ کی ذاتی کوششوں کا ثمرہ تھا۔ شاہانِ وقت نے بھی اپنے طور پر علم کی قدر افزائی کی۔ حضرت معاویہؓ اور ہشام نے تاریخ میں کتابیں لکھوائیں۔ ولید

نے قرآن کی تعلیم کی طرف پوری توجہ دی اور حفاظ و قراء وغیرہ کے وظائف مقرر کیے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے تحریرِ حدیث کی ملک گیر تحریک چلائی۔

اموی خلفاء نے ایک شاہی کتب خانہ بھی بنایا لیکن اس کی تفصیلات معلوم نہیں۔

الغرض کچھ حکمران طبقہ کی توجہ سے اور زیادہ تر علماء کی ذاتی سعی و جہد سے متفرق علوم کو بہت وسعت ملی۔ اس کا مختصر تذکرہ ذیل میں درج ہے۔

عربیت عجمی اقوام کے دائرۂ اسلام میں آنے کی وجہ سے عربی لغت کو منضبط کرنے اور قواعد کو مرتب کرنے کی حاجت ہوئی۔ اس دور میں لغات و محاورات کی تحقیق کا دامن بہت پھیلا اور صرف و نحو کے فنون ایجاد ہوئے۔ عربی قواعد کا سنگِ بنیاد حضرت علیؓ نے رکھا تھا۔ ان کے شاگرد ابو الاسود دؤلی نے اس فن کو اور وسعت دی۔

قرآنی علوم ابتداءً قرآن میں اعراب نہ تھے۔ اموی عہد میں پچاس ہجری کے بعد لگائے گئے۔ اعراب پہلے نقطوں کی صورت میں لکھے گئے۔ وہ نقطوں سے ممیز کرنے کے لئے انہیں الگ سیاہی میں لکھا جاتا تھا۔ یہ خدمت حضرت علیؓ کے شاگرد ابو الاسود دؤلی اور ان کے شاگرد نصر بن عاصم اور یحییٰ بن یعمر نے انجام دی[1]۔ صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اس کارِ خیر میں کس قدر حصہ لیا۔

---

[1] معارف قرآن از مؤلف ہذا۔

اموی دور میں تفسیریں بھی لکھی گئیں ۔ ابن عباسؓ کے صحابی عکرمہ نے تفسیر میں ایک کتاب لکھی ۔ سعید بن جبیرؒ نے بھی ایک تفسیر سپردِ قلم کی جو بعد میں عطا بن دینار کے نام سے مشہور ہوئی ۔ مجاہد تابعی کی تفسیر اور بدءُ الخلق میں ہمام بن منبہ کی کتاب بھی قابل ذکر ہیں[1] ضحاک بن مزاحم (وفات ۱۰۵ یا ۱۰۶ھ) نے بھی ایک تفسیر سپردِ قلم کی تھی[2]

ابن عباسؓ کے نام سے ایک تفسیر تنویر المقباس نام آجکل مطبوعہ ملتی ہے ۔ ان کے نام سے تفسیر کی اور کتابیں بھی منسوب ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں خود نوشتہ نہیں بلکہ اموی دور میں آپ کی روایات تحریر کر دی گئیں اور آپ کے نام سے مشہور ہو گئیں ہیں[3]

حدیث علم حدیث کے لئے زیادہ انحصار زبانی یادداشت پر کیا جاتا تھا تاہم اس دور میں حدیث کا ایک وسیع ذخیرہ متفرق تحریر میں آ گیا ۔ حضرت ابو ہریرہؓ ، عبد اللہ بن عباسؓ عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی کتابیں غالباً خلافتِ راشدہ کے بعد ہی لکھی گئیں ۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی کتاب حضرت معاویہؓ کے عہد سے تعلق رکھتی ہے ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی املاء کردہ احادیث کی ایک کتاب الصحیفۃ الصحیفہ کے نام سے تھی یہ حال ہی میں ہمام بن منبہ کے نام سے چھپ گئی ہے ۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ملک گیر پیمانے پر تحریر حدیث

---

[1] تعارفِ قرآن از مؤلف ہٰذا [2] فتوح البلدان بلاذری صد ۳۲۶ ۔ تہذیب التہذیب ۔ ابن حجر [3] تعارفِ قرآن از مؤلف ہٰذا ۔

کی تحریک چلائی۔ امام زہری نے حدیث کی تحریروں کے انبار لگا دیئے۔ امام مالک کی کتاب موطا کے بارہ میں قطعیت سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا اوّلین مسودہ اسی دور میں لکھا گیا۔ بعد میں اس میں ترمیم ہوتی رہی۔ اسی دور میں ابنِ جریج، اوزاعی، سفیان ثوری، ابو سلمہ حماد بن دینار، معمر بن راشد اور عبداللہ بن مبارک ایسے محدث موجود تھے۔ ان سب نے حدیث میں کتابیں لکھیں۔ لیکن ان کے بارہ میں ہم حتمی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان کی کتابیں اموی دور کی پیداوار ہیں یا عباسی دور کی کیونکہ ان اصحاب نے عباسی دور میں وفات پائی[1]

تاریخ اس دور میں سیرت نبوی پہ لکھنے والے دو غیر فانی شہرت کے عالم موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق زندہ تھے۔ انہوں نے علی الترتیب ۱۴۱ھ اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ اس لیئے ان کی کتابوں کے بارہ میں یہ کہنا مشکل ہے کہ اموی دور میں لکھی گئیں یا عباسی دور میں۔ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب غالباً اسی دور میں لکھی گئی تھی[2]

حضرت معاویہؓ اور ہشام نے قدیم تاریخ کی کتابیں لکھوائیں۔ خالد بن ابی المصیاح نے ولید بن عبدالملک کے لیئے تاریخ لکھی عوانہ نے حضرت معاویہؓ اور بنو امیہ کی تاریخ لکھی۔ (الفہرست) ابو مخنف ضحابی نے تاریخ میں متعدد کتابیں لکھیں (الفہرست)

فقہ اس دور میں بہت بڑے بڑے فقہاء پیدا ہوئے جن میں امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ سرِفہرست

---

[1] تعارفِ حدیث از مؤلف ہٰذا [2] تعارف حدیث از مؤلف ہٰذا

ہیں۔ امام مالکؒ عمر بھر مدینہ میں رہے۔ لوگ دور دراز سے کھنچ کر آپ کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ نے بھی علمِ فقہ میں بہت نام پیدا کیا۔ آپ نے ایک ہزار اربابِ علم کی ایک مشاورتی کمیٹی قائم کی۔ اس میں چالیس صاحب الاجتہاد علماء تھے جو علم و ادراک کے آسمان کے آفتاب و مہتاب تھے آپ فقہی مسائل کو اس مجلس کے سامنے پیش کرتے اور خوب بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کیا جاتا تھا۔ یہ مجلس اموی عہد کے اٹھارہ برس بعد تک قائم رہی۔ اس میں جو فتوے دیئے جاتے تھے انہیں لکھ لیا جاتا تھا[1]

حکمت

خالد بن یزید بن معاویہ اسلام میں غالباً پہلا شخص ہے جس نے حکمت کی طرف اس حد تک توجہ دی کہ غیر زبانوں سے ترجمہ کا اہتمام کیا۔

خالد کو حکیمِ آلِ مروان کہتے تھے۔ اس نے مصر سے فلاسفۂ یونان کی ایک جماعت منگوائی اور اسے حکم دیا کہ صنعت کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرو۔ اس سلسلہ میں طب، نجوم اور کیمیا کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ اس نے خود بھی کیمیا میں کئی کتابیں تصنیف کیں جن سے چار کتابوں کا وجود چار صدی تک باقی رہا تھا[2]

مروان اوّل کے شاہی طبیب نے ایک سریانی کتاب کا ترجمہ کیا جسے شاہی کتب خانہ میں رکھا گیا۔

---

[1] تعارفِ فقہ از مولفہ ہذا

[2] رسائل شبلی۔

طب امویؔ دور میں علم طب نے ترقی کی بہت منزلیں طے کیں۔ جرّاحی میں بعض اصحاب نے بہت دستگاہ پیدا کی۔ ایک جرّاح کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ اس نے ایک شخص کی آنکھ کا ڈھیلا نکال کر دوبارہ ٹھکانے جڑ دیا۔

تہذیب و تمدن

اموی دور میں سپین اور بحرِ ظلمات سے لے کر سندھ تک اسلامی حکومت پھیل گئی۔ لیکن اسلامی آبادی انہی حدود میں منحصر نہ تھی۔ مشرق میں چین اور جاوا سماٹرا تک اسلامی مبلغ اور تاجر پہنچے۔ ہندوستان کے جنوبی ساحل کے قریب ایک چھوٹی سی ریاست قائم ہو گئی تھی۔ یہاں کا ایک راجہ شق قمر دیکھ کر اسلام لے آیا تھا۔ راجہ داہر کے قزاقوں نے جن لوگوں کو لوٹا تھا وہ انہی علاقوں سے آ رہے تھے۔

اسلامی دور میں بیسیوں ملکوں اور قوموں کی تہذیب و تمدن کا سرمایہ یک جا ہوا۔ اس سنگم سے ایک نئی تہذیب کی بنا رکھی جو کسی جغرافیائی خطہ سے منسوب نہ تھی۔ اس میں آفاقی وسعت تھی۔ دنیا کے جس خطہ میں جو اچھی چیز تھی اسے اختیار کر لیا گیا۔

بے شک بعض ناپسندیدہ چیزیں بھی کہیں کہیں رائج ہوئیں لیکن ان کو اسلام کی منظوری حاصل نہ تھی اس لیئے انہیں اسلامی تہذیب کا جزو قرار دینا بہت بڑی غلطی ہے۔ اگر کسی شہر میں چند بدقماش افراد جوئے کا مرکز کھول لیں اور باقی شہر والے اس سے بیزاری کا اظہار کریں تو اس مرکزِ قمار کو اس شہر کے تمدن کا جزو قرار نہیں دیا جائے گا۔ کسی قوم سے وہی تہذیب و تمدن منسوب ہو سکتا ہے جسے اس کی اکثریت نے خوشی سے اختیار کیا ہو اور اس پر فخر کیا ہو۔ جب ہم اسلامی تہذیب و تمدن کے خط و خال تلاش کریں گے تو ان اجزاء کو خارج کرنا پڑے گا جنہیں اکثریت نے قبول نہیں کیا یا من حیث القوم ان پر فخر کا اظہار نہیں کیا گیا

اسلامی تہذیب و تمدن کے اجزاء کی ایک عام پہچان یہ ہے کہ ان سے فضول خرچی، تضیع اوقات یا اخلاق سوزی وابستہ نہیں ہوتی۔ شطرنج، کبوتر بازی، کتوں اور بٹیروں کی لڑائی، فحش شاعری، عریاں لباس، لاابالی فیشن وغیرہ سے اسلامی تہذیب و تمدن کو کبھی واسطہ نہیں رہا۔ جب کبھی ان کا رواج ہوتا نظر آیا حکومت نے اس کا تدارک کیا۔ اس مقصد کے لیئے احتساب کے صیغہ سے کام لیا جاتا تھا۔

اسلامی تہذیب و تمدن میں بعض ایسی اشیاء بھی داخل ہو گئیں جن کے حق میں دینی نقطۂ نگاہ سے شاید کوئی دلیل نہ دی جا سکے اور نہ ان کی تردید ہو سکے لیکن بعض امور کی وجہ سے اہلِ اسلام نے ان پر فخر کیا اور انہیں اپنی تہذیب کا جزو قرار دیا۔ خلیفہ ولید نے جامع دمشق پر بہت دولت صرف کی۔ بعض جگہ اس کو سونے چاندی کے پتروں سے ڈھک دیا اور قیمتی پتھر

جڑوائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حکم دیا کہ یہ قیمتی سامان مسجد سے اتار کر قومی رفاہ میں خرچ کیا جائے۔ کسی نے کہا کہ ایک عیسائی اس مسجد کو دیکھ کر اتنا مرعوب ہوا تھا کہ بے ہوش ہو گیا۔ عمر بن عبد العزیز نے فرمایا، اگر یہ بات ہے تو جامع کو اپنے حال پر رہنے دو۔ اس لحاظ سے پر شکوہ تعمیرات اسلامی تمدن کا جزو بن گئیں۔

تعمیرات اسلام سادگی کی تعلیم دیتا ہے اس لئے شروع میں رجحان عالی شان عمارات کے خلاف رہا حضرت عمرؓ نے کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد کرائے تو مکانوں کی گنجائش پر حد مقرر کر دی تھی۔ اموی دور میں آہستہ آہستہ پرشکوہ عمارتوں کا رواج پڑنے لگا۔ یہ ایرانی اور رومی تہذیب کا اثر تھا۔

سب سے پہلے حضرت معاویہؓ نے دمشق میں اپنے لئے محلات بنوائے۔ اس کے بعد صوبائی والیوں کا بھی ادھر رجحان ہو گیا۔ ولید کا دور آیا تو امراء کو تعمیرات کا جنون سا ہو گیا۔ جگہ جگہ شاندار عمارتیں نظر آنے لگیں۔ مضبوطی کی خاطر زیادہ تر پتھروں کا استعمال ہوتا تھا۔

سب سے زیادہ توجہ مساجد کی طرف تھی۔ ولید کے عہد میں جو سب سے عالی شان عمارت بنی وہ جامع دمشق تھی یہ نازک دلکش تھی۔ مسجد النبی اور مسجد حرام کی بھی توسیع کی گئی اور ان کی شان میں اضافہ کیا گیا۔ جامع بصرہ، جامع کوفہ اور جامع عمرو بن العاص وغیرہ بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں۔

گنبد کا رواج عرب سے بیرونی دنیا میں پہلے سے تھا لیکن

اسلام نے اسے اس طرح اپنایا کہ اسلامی فن تعمیر کا نشان امتیاز ہو گیا۔ عبد الملک نے بیت المقدس میں صخرہ پر جو گنبد بنوایا وہ بہت مشہور تھا۔ حجاج بن یوسف نے واسط میں سبز گنبد بنوایا تھا جو مدت تک قائم رہا۔ اس کا دور دور تک شہرہ تھا

میناروں کا رواج حضرت معاویہؓ کے عہد میں ہوا۔ عربوں کو کشیدہ قامت چیزوں سے جو محبت تھی معلوم ہوتا ہے کہ مینار اس کا مظہر ہے۔ آہستہ آہستہ مساجد کی علامت جلال ٹھہرا۔

بڑی مسجدوں اور شاہی ایوانوں کے لئے بڑے بڑے کمرے بنائے جاتے تھے جن میں عموماً لکڑی کے ستون استعمال ہوتے تھے لیکن اس مقصد کے لئے کہیں کہیں پتھر بھی استعمال ہوا۔

شہروں کی آبادی

اموی دور میں کئی نئے شہر آباد ہو گئے اور ویران قصبوں میں نئے سرے سے رونق آئی۔ شہروں کی آبادی کے کئی اسباب تھے مثلاً:

۱۔ فوج کے مستقر کے لئے نئے مقامات کی ضرورت تھی تاکہ باہر سے آنے والے سپاہی قدیم آبادی سے دور رہیں۔ اس مقصد کے لئے جو شہر آباد ہوئے ان میں واسط بہت مشہور ہے۔ یہ کوفہ اور بصرہ کے درمیان ہونے کی وجہ سے واسط کہلاتا تھا۔ یہ دجلہ کے کنارے تھا۔ اس کے دوسری طرف کسکر کا قدیم قصبہ تھا۔

۲۔ سرحدی حفاظت کے لئے فوجی چھاؤنیاں قائم کرنی پڑیں جو بعد میں بہت بڑے شہر بن گئے۔ اس سلسلہ میں فسطاط قیروان، منصورہ اور محفوظہ وغیرہ کے شہر قابل ذکر ہیں۔

یہاں عرب آباد ہوئے - ان شہروں میں کہیں کہیں نہایت مضبوط قلعے بھی بنائے گئے -

۳- بعض شہروں کی بنا کا سبب کسی خلیفہ کی محض خوش ذوقی تھی مثلاً ہشام نے نزہت گاہ کے طور پر رصافہ آباد کیا -

نئے شہروں کی پہلے خط کشی ہوئی اور ایک نقشہ کے موافق محلے، گلیاں اور بازار معرضِ وجود میں آئے - آب رسانی کا خاطر خواہ انتظام ہوا -

دمشق اموی دور میں یوں تو کئی شہروں کی رونق بڑھی لیکن دمشق کو جو شوکت اور رعنائی حاصل ہوئی وہ اسی کا حصّہ تھا - اس خوبصورت شہر کی رونق نے نقطۂ کمال کو چھو لیا - دمشق بنو امیہ کا پایۂ تخت تھا - اس کی بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ نہایت زرخیز خطہ میں واقع تھا جہاں آب رسانی کا اہتمام آسانی سے ہو سکتا تھا - اس کی شان نہایت سرعت سے بڑھتی گئی - یہ ایک قدیم شہر تھا - اس کی ہزاروں برس کی عمر تھی - فوجی نقطۂ نگاہ سے از بس اہمیت رکھتا تھا - اس کے گرد سنگین اور مستحکم فصیل تھی جس میں کئی مضبوط دروازے تھے -

دمشق شام کے شہروں اور ایران و عرب وغیرہ سے قریب تھا - یہاں ایک بہت بڑی تجارتی منڈی قائم ہو گئی - بین الاقوامی تہذیب و تمدن کا سنگم بن گیا -

پہلے یہاں عیسائی آباد تھے - اسلامی افواج نے اسے فتح کیا تو طے ہوا کہ ایک حصہ میں عیسائی آباد رہیں گے اور ایک میں مسلمانوں کی آبادی ہو گی - اس سے غرض یہ تھی کہ باشندوں میں امن و امان قائم رہے - یہ مقصد پوری طرح حاصل ہوا اور مسل[illegible]

اموی دور میں یہ شہر سیاسی شورشوں سے مامون رہا۔ نتیجہ یہ کہ خوش حالی اور فارغ البالی انتہاء کو پہنچی اور لوگ تہذیب و تمدن کی حیرت انگیز برکتوں سے ہم کنار ہوئے۔

دمشق میں نہایت شاندار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جامع دمشق کا تو جواب ہی نہ تھا۔ عالیشان گرجوں کی بھی کمی نہ تھی۔ پُرشکوہ قصر معرضِ وجود میں آئے۔ یہ عمارات صرف مسلمان امراء ہی سے مختص نہ تھیں نصاریٰ بھی ان میں برابر کے حصّہ دار تھے۔

عیسائی اور مسلمان ساری آبادی فراغت سے بسر کرتی تھی۔ عیسائی بعض دفعہ نہایت اہم عہدے حاصل کر لیتے تھے اور شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔

دمشق جنت کا نمونہ تھا۔ آب رسانی کا جو اہتمام اموی دور میں ہوا وہ اہل اسلام کی خوش ذوقی اور ذہانت کا دائمی ثبوت فراہم کرتا ہے۔ گھر گھر پانی کی جدولیں پہنچی۔ مکانوں کے ساتھ پائیں باغ تھے جہاں طرح طرح کے گل بوٹے بہار دکھاتے تھے۔ آب پاشی کا یہ نظام آج تک باقی ہے۔

دمشق کے وسیع شہر میں کئی بازار تھے جو مسقف تھے۔ یہ بازار گرمیوں میں خوب ٹھنڈے رہتے تھے۔

عربی

تاریخ طبری

تاریخ ابن اثیر

البدایہ والنہایہ ابن کثیر

فتوح البلدان بلاذری

الفخری از ابن طقطقی

اخبار الطوال دینوری

الامامتہ والسیاستہ ابن قتیبہ

عیون الاخبار ابن قتیبہ

النجوم الزاہرہ فی اخبار مصر والقاہرہ از طغری بردی

احکام السلطانیہ ماوردی
اعلان التوبیخ سخاوی
مجموعۂ اخبار الاندلس ابن القوطیہ
نفح الطیب مقری
معجم البلدان یاقوت
مروج الذہب مسعودی
التنبیہ والاشراف مسعودی
تاریخ یعقوبی
تاریخ الخلفاء سیوطی
حسن المحاضرۃ سیوطی
کتاب الوزراء جہشیاری
کتاب الفہرست ابن الندیم
خلاصۃ الذہب المسبوک از عبدالرحمن اربلی
سیرت عمر بن عبدالعزیز از ابن جوزی
سیرت عمر بن عبدالعزیز از ابن عبدالحکم
حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم
الانتقاء فی فضائل ثلاثۃ الائمۃ الفقہاء از قرطبی
تہذیب التہذیب ابن حجر
میزان الاعتدال ذہبی
صحیح مسلم کتاب الصلوۃ و کتاب الحج
ترمذی ابواب المناقب و ابواب الفتن
موطا امام مالک

عربی

فتح نامہ سندھ (چچ نامہ)

اردو

تاریخ اسلام شاہ معین الدین

تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون

رسائل شبلی

تعارف قرآن و حدیث و فقہ از شیخ محمد اقبال

انگریزی

سپینش اسلام ڈوزی

مورزان سپین لین پول

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا

حصہ سوم

بنو امیہ

شیخ محمد اقبال ایم اے (عربی) ایم اے (اسلامیات) ایم اے (فلسفہ)

گورنمنٹ کالج لاہور

علمی کتاب خانہ اردو بازار